اردو۔ مرتبہ جناب حکیم گلچین کرنالی صاحب تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت
صفحات ۲۰۸ قیمت ۵۰ پیسے پتہ: اردو مشن، گلی تیراں والی، ملتان۔
یں کرنالی صاحب نے صحیح اردو بولنے اور لکھنے کی تعلیم دینے کے لیے یہ مفید کتاب لکھی
اردو کے ضروری اصول و قاعدے مثلاً روزمرہ محاورہ اردو میں غیر زبانوں کے
ل اور جمع بنانے کے طریقے، تذکیر و تانیث، عطف و اضافت اور دوسرے نحوی
زبانوں کے اصطلاحی الفاظ کے اردو ترجمے بعض الفاظ کی وضاحت و تحقیق، ان کے
ر دید وغیرہ مختلف ضروری اور مفید باتوں کا ذکر کرکے تلفظ و صحت زبان کی اہمیت
یات مستقل عنوان کے تحت اردو کے بعض مشہور و مستند ادیبوں کے زبان و بیان پر
کیا ہے اور ان کی کتابوں کے غلط فقرے اور جملوں کی تصحیح کی گئی ہے، لیکن خود مصنف
ں اور بعض الفاظ و جملوں کی وضاحت میں سہو ہوا ہے، ان کا نقد و احتساب بھی
کا مجموعہ ہے، تاہم اس کتاب سے اردو کے متعلق گوناگوں اور مختلف مفید باتیں معلوم
ت کا مقصد بھی نیک ہے، یہ کتاب خصوصیت سے زبان و ادب کے طلبہ کے مطالعہ کے لائق ہے

رتاب۔ از جناب برق موسوی صاحب تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت
۱۴۴، قیمت عہ پتہ: مرکز ادب حیدرآباد، آندھرا پردیش۔
ی صاحب کہنہ مشق شاعر ہیں، یہ ان کی ۰۰ سے زائد رباعیوں کا مجموعہ ہے
لات، امن و صلح، محبت و اخوت اور رواداری وغیرہ مفید مضامین پر مشتمل ہیں
کل صنعت سخن ہے، طبع آزمائی کرنا مصنف کی قادر الکلامی کا ثبوت ہے،
قدمہ میں ان کی رباعی نگاری کے خصوصیات تحریر کئے ہیں۔

"ض"

جلد ۱۰۰ ماہ جمادی الثانی و رجب المرجب ۱۳۸۷ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۶۷ء عدد ۴

مضامین

شذرات

یو، پی، بہار اور بعض دوسری ریاستوں میں جب سے جن سنگھ کا اقتدار قائم ہوا ہے اس نے حکومت کو
پالیسی کے مطابق ڈھالنا اور منظم طریقہ سے مسلم کشی کا سلسلہ شروع کر دیا ہے، اور اندیشہ ہے کہ یہ آگ
میں پھیل جائیگی، جن سنگھ اور دوسری فسطائی جماعتوں کا نقطۂ نظر بالکل کھلا ہوا ہے، وہ سیکولرزم
جمہوریت کو نہیں مانتیں، ان کا نصب العین ہندو حکومت کا قیام اور برہمنی تہذیب کا احیاء ہے، اس کا
زیادہ نشانہ مسلمان ہیں، وہ ان کے وجود اور ان کی جانب منسوب ہر چیز کی دشمن ہے، اس کا سبب
نسخہ پاکستان ہے جس کے نام سے وہ اکثریت کے جذبات کو بھڑکاتی رہتی ہے، درحقیقت اسکی مسلم دشمنی
کے قیام کا نہیں بلکہ اس فسطائی ذہنیت کا نتیجہ ہے جو اپنے علاوہ کسی فرقہ کسی مذہب اور کسی تہذیب
برداشت نہیں کر سکتی اور یہ ذہنیت بہت قدیم ہے، اسی نے ہندوستان کے اصلی باشندوں کو اچھوت بنا
مظلوم ہیں، اسی نے بدھ مت کا خاتمہ کیا اور ہندوستان سے اس کا نام و نشان تک مٹا دیا،
کا قیام بھی درحقیقت اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے، مگر انگریزی حکومت کے زمانہ میں یہ ذہنیت نہیں پل سکتی تھی
لیے دبی رہی، آزادی ملتے ہی ابھر آئی، یہ البتہ کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کے قیام نے اس میں اور شدت
ہی، اگر پاکستان نہ بھی بنتا تب بھی یہ ذہنیت موجود رہتی اور ممکن ہے کہ اس کو زیادہ ابھرنے کا موقع نہ
مسلمان اتنے بے بس نہ ہوتے، اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ مسلم دشمنی پاکستان ہی کے قیام کا نتیجہ
کا انتقام پاکستان والوں سے لینا چاہیے، ان پر تو بس نہیں چلتا، سارا زور ہندوستان کے بے بس
میں پر گرتا ہے جو نہ بہادری ہے نہ شرافت، سب سے زیادہ لائق تعریف ہماری جمہوری اور سیکولر حکومت ہے
اپنے شہریوں کے جان و مال کا تحفظ نہ کر سکی،

درحقیقت فرقہ پروری اور فسطائیت ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں اسلیے فسطائی ذہنیت محض مسلمانوں
کی دشمنی تک محدود نہیں، کم و بیش تمام اقلیتیں اس کا شکار ہیں، حتی کہ سکھ بھی جو ہندو مذہب ہی کی ایک ترقی یافتہ
شاخ ہیں، اس سے محفوظ نہیں، جہاں مذہب کا اختلاف نہیں ہے وہاں دوسری شکلوں میں یہ ذہنیت ظاہر ہوتی
ہے، اچھوت قومیں اس کے تحقیر آمیز سلوک اور جنوبی ہند والے لسانی اور تہذیبی جارحیت سے نالاں ہیں، مسلمان سب سے
زیادہ اسلیے نشانہ ہیں کہ وہ اپنی تعداد کے اعتبار سے ایک پوری قوم اور اپنے مذہب اور تہذیبی روایات
کے اعتبار سے ایک مستقل ملت اور اپنا انفرادی وجود رکھتے ہیں اسلیے فسطائی ذہنیت کی زد سب سے زیادہ
انہی پر پڑتی ہے، اگر مسلمان درمیان میں نہ ہوں تو یہ مادہ آپس ہی میں پھوٹ نکلے اور اب بھی مختلف شکلوں
میں پھوٹتا رہتا ہے، اسی ذہنیت نے پہلے بھی ہندوستان کو نقصان پہنچایا ہے اور آیندہ بھی اس کو متحد
اور مستحکم نہ ہونے دے گا:

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

اس میں سب سے زیادہ قصور کانگریس اور اس کی حکومت کا ہے، جب اس فتنہ کو دبانے کا وقت تھا،
اس وقت وہ عوام میں مقبولیت اور حکومت کی طمع میں اس کو اسقدر ڈھیل دیتی بلکہ پرورش کرتی رہی کہ
فسطائی طاقتوں نے کانگریس اور حکومت میں گھس کر خود ان کو بدل دیا، بعض پرانے اور مخلص لیڈر خصوصاً
پنڈت جواہر لال نہرو ان کے خلاف برابر آواز بلند کرتے رہے لیکن آخر میں وہ بھی انکے مقابلہ میں بے بس ہو گئے
تھے، ان کے بعد خود حکومت نے اس کے سامنے سپر ڈالدی اور فسطائی جماعتوں کو شیر بنا لیا، اسلیے انکو طاقت
پکڑنے کا موقع مل گیا جس کا نتیجہ خود کانگریسی حکومت کو بھگتنا پڑا اور وہ دن دور نہیں جب جن سنگھ
ریاستوں سے لیکر مرکزی حکومت تک پر قابض ہو جائے گی، اور ہندوستان سے سیکولرزم اور جمہوریت
کا خاتمہ اور پورا ملک انتشار اور بدنظمی کا شکار ہو جائے گا، اس لیے اب یہ تنہا مسلمانوں کا نہیں بلکہ
سیکولرزم و جمہوریت اور ملک کے تحفظ و بقا کا مسئلہ ہے۔

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

مگر اب فسطائی طاقتیں اتنی قوت پکڑ چکی ہیں کہ انکا مقابلہ آسان نہیں ہے، اسکی صرف ایک ہی صورت ہے کہ

...م ترقی پسند پارٹیاں اور اقلیتیں جو سیکولرزم اور جمہوریت کو زندہ رکھنا چاہتی ہیں، اسی سرفروشی اور...
...کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں جس طرح کانگریس نے انگریزی حکومت کا مقابلہ کیا تھا، وہ گاؤں گاؤں...
...س مہم کو چلائیں اور اس راہ میں عوام میں مقبولیت اور حکومت کے اقتدار ہر چیز کی بازی لگا دیں...
...ت کامیابی کی کچھ امید ہو سکتی ہے، محض زبانی تقریروں، بیانات اور قومی یکجہتی کی انجمنیں بنانے سے کچھ...
...ہوگا، مگر سوال یہی ہے کہ کیا اب بھی ہندوستان میں ایسی بے لوث اور ترقی پسند جماعتیں موجود ہیں...
...یثار و قربانی کے لیے تیار رہوں، عوام میں مقبولیت اور حکومت کی چاٹ بڑی مشکل سے چھوٹتی ہے...
...ے پر سب کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے، اس لیے ہندوستان میں سیکولرزم اور جمہوریت کا مستقبل...
...یک نظر آتا ہے۔

~~~~~~~~~~

...قہ پرور اور فسطائی جماعتوں کے حوصلے اس لیے اور بڑھ گئے ہیں کہ ان کو مسلمانوں کی جان و مال...
...پوری آزادی ہے، ان کے لیڈر اور اخبارات مسلمانوں کے خلاف زہر پھیلاتے رہتے ہیں اور...
...الا نہیں، فساد کے روکنے کا پہلے سے کوئی انتظام نہیں کیا جاتا، فساد کے موقع پر امن...
...رلوق بنجاتے ہیں، فساد میں مسلمان ہی تباہ و برباد ہوتے ہیں اور الٹے وہی پکڑے جاتے ہیں...
...سے کوئی باز پرس نہیں ہوتی، چنانچہ آج تک کسی فساد میں مجرموں کو سزا نہیں ملی، ایسی...
...یں بلکہ نہ ہونا تعجب انگیز ہے، اگر حکومت سنجیدگی سے فساد کو روکنا چاہتی ہے تو اس کو چاہیے کہ...
...ں کی زبان و قلم پر پابندی عائد کرے، فساد کے موقع پر حکام اور پولیس کی غفلت کی سختی سے...
...سادیوں کا پتہ چلا کر ان کو پوری سزا دی جائے، فوج اور پولیس میں مسلمانوں کو بھرتی کیا جائے...
...پولیس دیانتداری سے اپنا فرض انجام دیں تو بڑی حد تک فساد کا خاتمہ ہو جائے، مگر...
...رت اختیار نہ کرنے پائیں، اس کے بغیر محض اظہار افسوس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

مقالات

امام العصر علامہ سید انور شاہ کشمیری

از

جناب مولانا عبد الحلیم صاحب چشتی ایم اے، فاضل دیوبند

(۲)

اہل کمال معاصرین کا خراجِ عقیدت حقیقت یہ ہے کہ شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے بعد ہندوستان کی سرزمین پر ایسا متقن، وسیع النظر محقق اور جامع عالم پیدا نہیں ہوا، اور ہندوستان اور پاکستان کے متاخرین محدثین میں ملا محمد عابد سندی المتوفی ۱۲۵۷ھ کے بعد سید انور شاہ کے سوا کوئی حافظ حدیث نہیں گذرا،

علامۂ موصوف بلاشبہہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے تھے، اور اس دور میں اللہ تعالیٰ کی زبردست حجت اور برہان تھے، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم بشرح صحیح مسلم میں ایک موقع پر علامہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:-

سالت الشیخ العلامۃ النقی التقی	میں نے خدا ترس، پاک طینت، شیخ العلا
الذی لم تر العیون مثلہ ولم	انور شاہ جن کا مثل آنکھوں نے نہیں دیکھا
یر ہو مثل نفسہ ولو کان فی	اور نہ خود انھوں نے اپنا مثل دیکھا ہے
~~~~~~~~~~

سالف الزمان لكان له شأن
في طبقة اهل العلم عظيم وهو
سيدنا ومولانا الانور الكشميري
ثم الديوبندي اطال الله بقائه
عن تفسير اوائل سورة النجم
وتحقيق رؤية النبي صلى الله عليه وسلم
ربه فقرر الشيخ تقريرا حسنا
بليغا جامعا لاشتات الروايات
واطواف الكلام منبها على اغوار
القرآن فالتمست منه ان يقيده
بالكتابة لتعم الفائدة فاستجاب
للملتمس وعلى الله اجره مع وجود
الشواغل الكثيرة [1]

اگر وہ گذشتہ زمانے میں ہوتے تو اہل علم
کے طبقہ میں ان کا بڑا مرتبہ ہوتا، وہ ہمارے
سردار مولانا انور شاہ کشمیری ثم دیوبندی
ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں تا دیر قائم رکھے،
میں نے ان سے سورۂ النجم کی ابتدائی
آیتوں کی تفسیر اور رسالتمآب صلی اللہ
علیہ وسلم کے دیدار الٰہی کی تحقیق کے متعلق
درخواست کی تھی جس کو انھوں نے شرف
قبول بخشا اور نہایت نفیس اور تشفی بخش
بلیغ تقریر کی جس میں متفرق روایات
اور بحث کے تمام گوشوں کو سمیٹ
لیا ہے، اور قرآن مجید کی گہرائیوں پر
تنبیہ فرمائی ہے، پھر میں نے ان سے درخواست
کی کہ وہ اس کو قلمبند فرمائیں تاکہ اس سے
فائدہ عام ہو جائے، انھوں نے گوناگوں
مشغولیتوں کے باوجود میری یہ بات بھی مان لی
اللہ تعالیٰ اس کا اجر دے۔

مفسر عثمانی آیت شریفہ قل یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم الا

[1] ملاحظہ ہو فتح الملہم بشرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۳۵

نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله کی تفسیر
میں حیات مسیح علیہ السلام کے موضوع پر علامہ کے رسالہ کا تعارف کراتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"اس موضوع (حیات مسیح علیہ السلام) پر مستقل رسالے اور کتابیں شائع ہو چکی
ہیں، مگر میں اہل علم کو توجہ دلاتا ہوں کہ ہمارے مخدوم علامہ فقید النظیر حضرت مولانا سید
محمد انور شاہ کشمیری اطال اللہ بقائہ نے رسالہ "عقیدة الاسلام" میں جو علمی لعل و جواہر
ودیعت کیے ہیں ان سے متمتع ہونے کی ہمت کریں، میری نظر میں ایسی جامع کتاب اس
موضوع پر نہیں لکھی گئی۔"

اور آیت شریفہ قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا کی تفسیر
میں روح پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس (بحث) میں میرے نزدیک قول فیصل وہی ہے جو بقیة السلف بحر العلوم
سید انور شاہ صاحب اطال اللہ بقائہ نے فرمایا ہے۔"

علامہ شبیر احمد عثمانی نے فیض الباری علی صحیح البخاری پر جو تقریظ لکھی ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں

قال الشيخ تاج الدين السبكي في
حق القفال المروزي كان اماما
كبيرا وبحرا عميقا غواصا على
المعاني الدقيقة نقي القريحة
ثاقب الذهن، عظيم المحل
كبير الشان، دقيق النظر عديم
النظير (في زمانه) [1]

شیخ تاج الدین سبکی نے قفال مروزی
کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ بلند پایہ امام
اور علم کے گہرے سمندر، دقیق معانی کے
غوطہ زن، پاکیزہ طبع، روشن دماغ،
باعظمت، بلند مرتبت، دقیق النظر اور
یگانۂ عصر عالم تھے،

وحکی قول ابن السمعانی فیہ:
کان وحید زمانہ فقھاً
وحفظاً وورعاً
ھذہ کلمات کنت اری انھا
حق ذلک الامام، وصادفتھا
تصدق فی نابغة الھند الشھیر
وعالمھا بحر العلوم مولانا السید
محمد انور شاہ الکشمیری
ثم الدیوبندی رحمہ اللہ
سواء بسواء من غیر شطط
والحواء، فکان اماماً کبیرا
وبحراً عمیقاً غواصاً علی المعانی
الدقیقة الی آخر ما قال
لم اکن فی عداد اصحابہ وتلامذتہ
غیرانی وفقت للاستفادة
من صحبتہ ومجالسہ ومذاکرتہ
(فی المشکلات والغوامض)
برھة غیر قصیرة ومن طالع
کتابی فتح الملھم علی شرح صحیح

اور ان کے متعلق ابن السمعانی کا بیان
نقل کیا ہے کہ وہ فقہ، حفظ حدیث اور
ورع وتقویٰ میں یکتائے روزگار تھے۔
یہ کلمات میں نے اس امام موصوف کے
بارے میں پڑھے ہیں اور میں سمجھتا ہوں
کہ یہی کلمات ہندوستان کے مشہور و
معروف عالم بحر العلوم سید محمد انور شاہ
کشمیری ثم دیوبندی رحمہ اللہ پر بھی
پورے پورے صادق آتے ہیں اور
اس میں ذرا مبالغہ نہیں ہے کیونکہ یہ بھی
بلند پایہ امام، علم کے گہرے سمندر تھے
انھیں دقیق معانی تک رسائی حاصل
تھی ....
میں نہ انکے تلامذہ میں سے ہوں اور نہ
میرا ان کے ہم سبقوں میں شمار ہے،
بس مجھے انکی صحبت اور مجلسوں میں انکے
ساتھ مشکلات فن اور دقیق مسائل
میں مذاکرہ سے ایک زمانۂ دراز تک
استفادہ کا موقع ملتا رہا ہے جو کوئی

مسلم تبین لہ ذالک
(ملاحظہ ہو مقدمہ فیض الباری ص ۱۸)

میری کتاب فتح الملہم شرح صحیح مسلم کا مطالعہ
کریگا اس پر یہ حقیقت روشن ہو جائیگی۔

مورخ ہند مولانا سید سلیمان ندوی نے علامہ موصوف کی جن الفاظ میں تصویر کھینچی ہے وہ بھی دیدۂ ناظرین ہے، فرماتے ہیں:-

"مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے، ان کی مثال اس سمندر کی سی تھی جس کی اوپر کی سطح ساکن لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قیمت خزانوں سے معمور ہوتی ہے، وہ وسعت نظر، قوت حافظہ اور کثرت حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے، علوم حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر وسخن سے بہرہ مند اور زہد وتقویٰ میں کامل تھے، اللہ تعالیٰ اپنی نوازشوں کی جنت میں ان کا مقام اعلیٰ کرے کہ مرتے دم تک علم ومعرفت کے اس شہید نے قال اللہ وقال الرسول کا نعرہ بلند رکھا........ حضرت مرحوم سے ملاقاتوں میں علمی استفادہ کے موقعے ملتے رہے، ہر سوال کے وقت ان کی خندہ پیشانی سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ سوال سے خوش ہوئے، اہل کمال کی یہ بڑی پہچان ہے کیونکہ وہ مشکلات سے عبور کر چکتا ہے، اب جب اس سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ شبہ کے اصل منشا کو سمجھ جاتا ہے اور جواب دیکر خوش ہوتا ہے،

مرحوم معلومات کے دریا، حافظہ کے بادشاہ اور وسعت علمی کی نادر مثال تھے، ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بجا ہے، شاید ہی کوئی کتاب مطبوعہ ہو یا قلمی ان کے مطالعہ سے بچی ہو۔"[1]

---

[1] ملاحظہ ہو یاد رفتگاں مکتبۃ الشرق آرام باغ کراچی ۱۹۵۵ء ص ۱۶۹ و ۱۷۰

علامہ سید انور شاہ کی جلالت علمی اور رفعت شان کا اندازہ اس امر سے بھی کیا جا سکتا ہے
کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی جیسا عالم ربانی کسی موقعہ پر کسی علمی مسئلہ کی وضاحت کرتا
اور وضاحت کی کہیں سید انور شاہ سے داد تحقیق ملجاتی تو ان کو بڑی مسرت ہوتی تھی، چنانچہ
الافاضات الیومیہ میں مذکور ہے:۔

"مولانا سہول احمد صاحب نے کچھ سوالات علمی فرمائے، حضرت والا نے اس سلسلہ میں فرمایا
کہ اصول فقہ کا جو یہ مسئلہ ہے کہ "العبرۃ لعموم الالفاظ لا لخصوص المورد"
اس میں میرے نزدیک اتنی قید اور ضروری ہے کہ وہ عموم مراد متکلم سے متجاوز نہ ہو،
دلیل اس کی وہ واقعہ ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے دیکھا کہ سفر میں ہے اور بیہوش پڑا ہے، تحقیق سے معلوم ہوا کہ روزہ رکھے ہوئے ہے،
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیس من البر الصیام فی السفر، تو یہاں پر اس
حدیث کے الفاظ تو عام ہیں ہر مسافر کے لیے، چنانچہ بعض نے یہی سمجھا مگر بعض صورت
میں اذن صوم فی السفر سے اس کا تعارض ہوگا لیکن قرائن سے کوئی مجتہد ذوقاً حکم
کر سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ عموم مقصود نہیں بلکہ اس قید کے ساتھ عموم
مقصود ہے کہ جس کی ایسی حالت ہو جائے، اور جمہور کا یہی مذہب ہے پس معلوم ہوا
کہ جمہور کے نزدیک اس اصولی مسئلہ میں عموم کے اندر عدم تجاوز از مراد متکلم کی قید
معتبر ہے گو مصنفین نے تصریحاً اس کا ذکر نہیں کیا،
میں نے مراد آباد میں ایک وعظ میں یہ مضمون بیان کیا تھا اس میں مولانا انور شاہ صاحب
مرحوم بھی تھے، بعد وعظ کے شاہ صاحب سے کسی شخص نے ایک مسئلہ دریافت کیا تو شاہ صاحب
نے فرمایا کہ کیا تم نے سنا نہیں، ابھی تو وعظ میں (میری طرف اشارہ کر کے کہا) اس نے

مسئلہ بیان کیا ہے کہ اس قاعدہ میں یہ قید بھی ملحوظ ہے، پھر حضرت حکیم الامت دام ظلہم العالی
نے فرمایا کہ اس سے مجھکو خوشی ہوئی کہ شاہ صاحب نے اس پر انکار نہیں فرمایا بلکہ
اس سے اثبات فرمایا"[1]

ایک اور موقعہ پر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے موصوف کی حق پسندی اور
کمال علمی و عملی کی داد تحقیق یوں دی ہے، فرماتے ہیں:۔

مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریکات حاضرہ میں بہت سرگرم تھے، اور میں
بالکل علیحدہ تھا لیکن باوجود اس اختلاف مشرب کے میرے رسالہ ترجیح الراجح سے
بہت متاثر تھے اور کہتے تھے کہ صدیوں کے بعد یہ بات نظر آئی ہے کہ اپنی لغزشوں سے
رجوع کر کے اس کو شائع کیا جاوے۔
یہی ایک بات حق پسندی اور کمال علمی و عملی کے لیے کافی ثبوت ہے جس کی اس وقت
میں کہیں نظیر نہیں"[2]

انسان کا چہرہ اس کے خیالات اور علوم کا آئینہ دار ہوتا ہے، علامہ سید انور شاہ کا
چہرہ اس حقیقت کا پورا پورا مصداق تھا، چہرۂ انور پر علم کا ایسا نور تھا کہ مسلمان ہی نہیں،
کافر بھی اگر نظر بھر کر دیکھ لیتا تو پکار اٹھتا تھا کہ یہ چہرہ تو کسی بہت ہی بڑے عالم کا ہے، حکیم
الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا بیان ہے:۔

"مولانا (انور شاہ) کسی جلسۂ مناظرہ (بھاگل پور) میں شریک تھے جس میں اور
بڑے بڑے علماء موجود تھے، اس جلسہ کا صدر ایک ہندو کو بنایا گیا تھا جو بہت معمر اور
تجربہ کار شخص تھا، وہ جس وقت جلسہ میں آیا اس نے سب علماء کو دیکھ کر مولانا کے متعلق

[1] ملاحظہ ہو الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ ج ۷، ص ۶۳۴ [2] ایضاً ج ۲، ص ۲۲۷

کہا کہ ان سب میں یہ بڑے عالم معلوم ہوتے ہیں، واقعی غضب کا قیافہ شناس شخص تھا، کہ محض صورت دیکھ کر پہچان گیا کہ یہ سب سے بڑے عالم ہیں، حالانکہ اس وقت تک کسی کی تقریر بھی نہیں سنی تھی[1]۔"

علامہ سید انور شاہ ورع و تقویٰ کی صفات سے آراستہ اور محاسن اعمال اور مکارم اخلاق کے پیکر تھے، حق گوئی اور اتباع سنت کے بڑے دلدادہ تھے، اس کے آثار ان کے چہرے بشرے سب پر نمایاں تھے، ان کی ذات حقیقت میں نور علیٰ نور تھی۔

اردو کی کتابوں کے مطالعہ کا شوق علامہ سید انور شاہ نے درس و تدریس اور وعظ و تقریر میں طلبہ اور عوام کی سہولت کی وجہ سے اردو زبان کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا، لیکن اردو زبان میں حقائق و علوم چونکہ منتقل نہیں ہوئے تھے اس لیے موصوف نے اردو میں لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا اور نہ اس میں تصنیف و تالیف کو پسند کیا، مگر جب اہل حق نے اردو زبان میں تصنیف و تالیف کرکے علوم کو عام کرنا شروع کیا تو موصوف نے بھی اردو کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا، اس کا اندازہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حسب ذیل بیان سے کیا جاسکتا ہے، فرماتے ہیں :-

"مولانا انور شاہ صاحبؒ نے ایک صاحب سے فرمایا کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ اردو کی کتابوں میں علوم نہیں ہیں، اس لیے میں کسی کی اردو تصانیف کو دیکھنا بیکار سمجھتا تھا، لیکن جب سے تفسیر بیان القرآن دیکھنے کا اتفاق ہوا[2]، یہ معلوم ہوا کہ اردو کی تصانیف میں بھی اب علوم موجود ہیں اور اس وقت سے مجھے اردو کی کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا اور

---

[1] ملاحظہ ہو الافاضات الیومیہ ج، ص ۱۱۲ [2] حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی تصانیف میں جو کتابیں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں ان میں تفسیر بیان القرآن کا نام سر فہرست آتا ہے، اس کی وجہ موصوف کی اس فن سے مناسبت اور اس فن میں مہارت ہے، موصوف کا بیان ہے :
باقی حاشیہ ص ۲۵۳ پر)

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۲) الحمد للہ میں اپنی کھلی ہوئی حالت رکھتا ہوں اس خیال سے کہ کسی کو دھوکہ نہ ہو اور جو بات میرے اندر منجملہ نعم الٰہیہ ہو اس کو بھی ظاہر کر دیتا ہوں اور جو نقص کی ہو اس کو بھی ظاہر کر دیتا ہوں، چنانچہ چار علوم جو بڑے ہیں تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف ان میں سے دو سے مجھکو بقدر ضرورت مناسبت ہے، وہ بھی حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کی برکت سے ہے، ایک موقع پر یہ فرمایا تھا کہ تفسیر اور تصوف سے تجھکو مناسبت ہو گی، اگر اس وقت خیال آتا تو حدیث و فقہ کے لیے بھی دعا کرا لیتا اور یوں بقدر حاجت حدیث و فقہ سے بھی اللہ کے فضل و رحمت سے کام نکال لیتا ہوں مگر جس کو مناسبت کہتے ہیں وہ نہیں۔"

(الافاضات الیومیہ طبع تھانہ بھون ۱۹۳۹ء ج۵ ص ۱۸۴ و ۱۸۵)

حکیم الامت کو تصنیف سے چونکہ زیادہ شغف اور دلچسپی تھی اس لیے تفسیر بیان القرآن پر موصوف نے بڑی محنت کی ہے، اس امر کا اندازہ موصوف کے حسب ذیل بیان سے کیا جاسکتا ہے :-

"ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کو تو علاوہ اور کاموں کے ڈاک ہی کا مستقل کام بہت ہے، فرمایا کہ نرے ڈاک کے کام سے مجھ پر تعب نہیں ہوتا، البتہ تصنیف کے کام سے تعب ہوتا ہے، سو تصنیف کا کام اب نہیں ہوتا، تصانیف میں تمام مضامین پر احاطہ کرنا پڑتا ہے، اس لیے تصنیف کا کام بہت بڑا ہے، پہلے دماغ میں تمام مضامین کا جمع کرنا، پھر مرتب کرنا، ان کو محفوظ رکھنا بہت ہی بڑی مشقت کا شغل ہے،

ایک سبب تصنیف کی دشواری کا میرے لیے یہ بھی ہے کہ کتابوں پر میری نظر نہیں، درسی کتابوں کے علاوہ اور کتابیں میں نے دیکھیں نہیں، ہاں درسی کتابیں پہلے بحمد اللہ اچھی طرح مستحضر تھیں، مگر اب ان میں بھی ذہول شروع ہو گیا، اور تصنیف کے لیے صرف درسی

(باقی حاشیہ ص ۲۵۴ پر)

جو بے دقیقی اردو کی کتابوں کی میرے خیال میں پہلے تھی وہ جاتی رہی۔ (ملاحظہ ہو الافاضات الیومیہ ج ۲ص)

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۳) کتابیں کافی نہیں، یہی وجہ ہے کہ میری تصانیف کا زیادہ حصہ غیر منقولات ہیں، اول تو

میرے پاس کتابیں نہیں اور جو ہیں ان پر نظر نہیں، اور تصنیف بدون کتابوں پر نظر ہوئے مشکل ہے

جس کا اب تحمل نہیں۔" (الافاضات الیومیہ ج ۱ ص ۴ ۲۳ و ۲۳۵)

تفسیر بیان القرآن کی افادیت و اہمیت اور عظمت کا صحیح اندازہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب

جب اس فن کی مشہور تفسیریں نظر سے گذر چکی ہوں اور جو اشکال ان کتابوں میں حل ہونے سے رہ گیا ہے

موصوف نے اس میں حل کر دیا ہے اور بعض مقامات پر فخر رازی سے اونچی اور بہتر تفسیر کی ہے اور یہی اس

کتاب کی سب سے بڑی خوبی ہے، اس سلسلہ میں حکیم الامت کا بیان پڑھنے کے لائق ہے، فرماتے ہیں:

"بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ تمہاری تفسیر میں کیا ہے، میں کہا کرتا ہوں کہ کسی مقام پر اشکال ہو

تو اول اور تفسیروں میں دیکھو، پھر اس میں دیکھو تب معلوم ہوگا کہ اس میں کیا ہے۔"

(حسن العزیز مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون ۱۳۸۶ھ ج ۲ حصہ سوم ص ۸۴)

اسی وجہ سے اکابر اہل علم اس تفسیر کا مطالعہ کرتے رہے ہیں اور ان ہی وجوہ سے موصوف کو اس

تصنیف ہی سے اس کی تکمیل کی بڑی آرزو تھی، چنانچہ حسن العزیز (ج ۲ ح ۳ ص ۴۲) میں مذکور ہے:

"ایک صاحب نے حضرت والا سے تفسیر بیان القرآن کے متعلق کچھ باتیں دریافت کیں.....

ان صاحب کے سوالات کے جوابات دینے کے بعد فرمایا کہ زمانہ تصنیف تفسیر میں بالکل بیمار نہیں ہوا

کان بھی گرم نہ ہوا، اس زمانہ میں تھان (تھانہ بھون) میں طاعون بہت تھا، میں اللہ سے

دعا مانگتا تھا کہ اے اللہ میں تفسیر لکھنے سے پہلے نہ مروں۔"

اس اہم تفسیر کی تکمیل کی مدت بھی زیادہ نہیں ہے، حکیم الامت مقالات حسنہ ملقب بہ لمعات الا

فی رمضان الاربعین (ص ۶ طبع تھانہ بھون ۱۳۴۹ھ) میں فرماتے ہیں:-

دار العلوم دیوبند میں درس حدیث کی اہم خصوصیت | دار العلوم دیوبند میں درس حدیث کی اہم خصوصیت اور

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۴) "تفسیر بیان القرآن اڑھائی سال میں لکھی گئی، اس عرصہ میں کوئی سفر نہیں کیا،

تفسیر اور مثنوی کی شرح لکھنے کا بہت شوق تھا، الحمد للہ کہ خدائے برتر نے میرے شوق کو پورا کیا۔"

حکیم الامت نے تفسیر بیان القرآن کے لکھتے وقت کن باتوں کا التزام کیا تھا، اس کے متعلق

موصوف کا بیان پڑھنے کے لائق ہے، فرماتے ہیں:-

"تفسیر میں میرا یہ التزام تھا کہ پہلے معری قرآن مجید لیکر اس کا خوب مطالعہ کرتا تھا، جب شرح صدر

ہو جاتا تو پھر تفسیروں کا مطالعہ کرتا، اگر وہ تفسیروں کے مطابق ہوتا تو درج کرتا اگر محض

قرآن مجید کے مطالعہ سے شرح صدر ہوتا تو پھر تفاسیر کی طرف رجوع کرتا، اگر تفاسیر کے

مطالعہ سے شرح صدر ہوتا تو درج کرتا ورنہ بارگاہ خداوندی میں نہایت ابتہال اور تضرع

زاری سے دعا کرتا تو کبھی عین دعا میں شرح صدر ہو جاتا اور کبھی آدھ گھنٹہ بعد، کبھی کبھی شرح صدر

ہونے کے انتظار میں دیر دیر تک ٹہلتا، پھر بعد شرح صدر تفاسیر کو دیکھتا اگر اس مضمون کی

تائید ان سے ہوتی تو درج کرتا ورنہ چھوڑ دیتا، اور میں نے کبھی تفسیر کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا

بلکہ اکابر کی طرف منسوب کیا، ہاں بعض نکات کو اپنی جانب منسوب کیا۔

اس عرصہ میں طاعون کا بھی زور تھا، مجھے خدشہ تھا کہ تفسیر رہ نہ جائے مگر حق تعالیٰ کے فضل

سے میں اس عرصہ میں بیمار تک نہیں ہوا، البتہ بعض دفعہ معمولی زکام تو ہوا، اور اسی طرح

مثنوی کی شرح میں بھی اور بعد فراغت کے تعب کا ظہور ہوا اور خوب بیمار ہوا۔

اور عنوان جو تفسیر میں جلی قلم سے لکھے ہیں ان کے قائم کرنے میں نہایت دقت ہوئی اور یہ گویا

علوم قرآن ہیں، اور بعض جگہ بدلنے بھی پڑے، ایک شخص نے عرض کیا کہ گویا یہ تراجم بخاری ہیں

فرمایا ہاں، مگر تراجم مغلق ہیں یہ سہل ہیں،

تفسیر لکھنے کے زمانہ میں روپیہ بھی بہت آیا اور خوب کھایا اور بڑے بڑے سنی آرزو زار شبہہ پر واپس کیے اور

پھر لوٹ لوٹ کر آئے۔" (مقالات حسنہ ص ۴ و ۵)

...یازی شان طلبہ میں حدیث فہمی کا صحیح مذاق اور فقہ حدیث کا ملکہ راسخہ پیدا کرنا تھا، فقہ حدیث
...یت غامض علم ہے، اسی لیے محدثین اور فقہا کے مقابلہ میں فقہا، محدثین کی تعداد نہایت قلیل ہے،
... فن کے ماہرین انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے "عجالۂ نافعہ" میں فن...
...فن کو نام بنام گنایا ہے، دار العلوم دیوبند کے قیام کی اصل غایت اسی علم کی نشر و اشاعت ہے،
...فن میں اکابر دیوبند کا طریقۂ انیقہ نہایت معتدل ہے، درس حدیث میں علامہ سید انور شاہ کے
...یدی کارناموں پر روشنی ڈالنے سے پہلے اکابر دیوبند کے طریقۂ انیقہ کو سمجھنا ضروری ہے، اس
...وضاحت کے لیے علامہ سید انور شاہ کی وہ تاریخی تقریر جو موصوف نے ۱۳۲۹ھ میں عالم اسلام
...نہایت نامور فاضل اور وسیع النظر محدث علامہ سید رشید رضا المتوفی ۱۳۵۴ھ کی دار العلوم
...بند میں آمد کے موقعہ پر کی تھی، پیش کرنا کافی ہے، اس اہم تاریخی تقریر کا موضوع "فقہ حدیث
...کابر دیوبند کا طریقۂ انیقہ" ہے، علامہ موصوف کی یہ تقریر عربی میں ہے لیکن طویل ہے اس لیے
...کا ترجمہ لکھا جاتا ہے :-

"مدرسہ دیوبند کی غایت و غرض درس حدیث اور فقہ حدیث ہے..... ہمارے

اکابر کا حدیث اور فقہ حدیث میں ایسا معتدل و بہتر طریقہ ہے، جس میں افراط و تفریط

نہیں ہے، میری مراد اس سے یہ ہے کہ ائمۂ اربعہ (امام ابو حنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ)

اکثر و بیشتر اصول اربعہ کی پابندی کرتے ہیں، اور وہ اس طرح سے کہ امام مالکؒ اہل مدینہ

کے عمل کی اقتدا کرتے ہیں، بلکہ کبھی وہ حدیث مرفوع پر بھی اس کو ترجیح دیتے ہیں،

امام شافعیؒ ہر باب میں اصح حدیث سے استدلال کرتے ہیں، امام احمدؒ اصح، صحیح،

حسن اور ضعیف حدیث سے بھی جس کا ضعف کمتر درجہ کا ہو استدلال کرتے ہیں، اور وہ ان

دونوں طریقے (اصح و صحیح اور حسن و ضعیف) کو درست سمجھتے ہیں، موصوف نے اپنی مسند

میں اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے، اور ابو حنیفہؒ ان قسموں کی تمام حدیثوں کو قابل عمل سمجھتے

ہیں، اور اختلاف کی صورت میں ان کو ایک محمل پر جمع کرتے ہیں، اسی وجہ سے حنفیہ کے

یہاں تاویلات زیادہ ہیں اور شوافع کے یہاں کے راویوں پر جرح زیادہ ہے، امام شافعیؒ

پہلے امام ہیں جو بلا مؤید و عاضد اور شاہد حدیث مرسل کو قابل حجت نہیں سمجھتے ہیں،

فن حدیث کے نکتہ شناس امام بخاریؒ نے امام مالکؒ و شافعیؒ کے اصول کو اپنایا اور

اپنا خضر راہ بنایا، چنانچہ وہ صحیح بخاری میں اصح ما فی الباب کو لاتے ہیں، اور عمل سلف کی

موافقت کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں، اسی وجہ سے وہ اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث ذکر نہیں

کرتے جو دوسری حدیث کے معارض و مخالف ہو، انھوں نے صلوٰۃ کسوف کے بیان میں

دو رکوع والی حدیث پر اکتفا کیا اور اپنے اصول و قواعد کی پابندی کی، تین، چار اور

پانچ رکوع والی حدیثوں کو نظر انداز کر دیا،

امام مسلمؒ نے راویوں کی ثقاہت پر اعتماد کیا، چنانچہ انھوں نے باب الکسوف میں

تین چار رکوع والی حدیثوں کو ہی نہیں بلکہ پانچ رکوع والی حدیث کو بھی جو امیر المومنین

علی رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے (کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے) صحیح مسلم میں درج کیا ہے،

امام بخاری نے تحقیق و تنقیح کی ہے اور امام مسلم نے اصول و قواعد کی رعایت کی ہے،

ایسی اختلافی صورتوں میں ہمارے مشائخ توسط و اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں،

تشدد اور تساہل سے گریز کرتے ہیں اور متعارض حدیثوں کی ایسی توجیہ کرتے ہیں کہ جو

غور سے سنتا ہے قبول کرتا ہے، اس کی مثال حدیث قلتین ہے، اس کو یزید بن زریع

کامل بن طلحہ، ابراہیم الحجاج، ہدبہ بن خالد، وکیع اور یحییٰ بن حسان نے اذا بلغ الماء

قلتین او ثلاثاً، جب پانی دو تین قلہ (بڑا مٹکا جس میں اڑھائی مشک پانی آتا ہے) ہو

وہ ناپاک نہیں ہوتا، لفظ تنویع (او) کے ساتھ روایت کیا ہے تو یہ تخمین واندازہ کے لیے ہے
کہ جب دو تین قلہ پانی ہوگا تو ایک طرف سے دوسری طرف نجاست کا اثر نہ ہوگا اور امام
ابوحنیفہؒ، ابویوسفؒ اور محمدؒ کا یہی اصل مذہب ہے، چنانچہ شیخ ابن ہمامؒ اور شیخ ابن نجیمؒ
نے اس امر کی تصریح کی ہے، حدیث قلتین کے محمل کے تعین سے جو حدیثیں اس کے معارض
تھیں وہ اپنے حال پر باقی رہیں اور معارضہ سے بچ گئیں، جیسے ٹھہرے ہوئے پانی
میں پیشاب کرنے کی ممانعت والی حدیث، اور سو کر اٹھنے والے کو پانی میں ہاتھ ڈالنے
کی ممانعت والی حدیث، اور برتن میں کتے کے منہ ڈالنے والی حدیث، اپنے اپنے محل
میں قابل عمل ہیں۔

اور اس کی مثال دیگر امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے والی حدیثیں ہیں، حنفیہ نے نماز میں
امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے پر قرآنی آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا وانصتوا لعلکم
ترحمون جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو، اور حدیث رسول واذا قرئ القرآن
فانصتوا جب امام پڑھے تو تم چپ رہو، اور حدیث من کان له امام فقراءة
الامام له قراءة (جس کا امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے) سے استدلال
کیا، اور انھوں نے حدیث لا تفعلوا الا بام القرآن (سورہ فاتحہ کے اور کچھ
نہ پڑھا کرو) والی حدیث کی تاویل کی کیونکہ جس نے سورہ فاتحہ نماز میں نہیں پڑھی اس کی
نماز نہیں ہوئی، اور یہ اس لیے کیا کہ آیت شریفہ کے شان نزول میں کوئی صحیح روایت
نہیں ہے، لہذا لفظ کے عموم کا اعتبار ہوگا (نہ خصوص مورد کا) نیز امام بیہقی نے کتاب
القراۃ میں امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ آیت نماز میں قرأت
کے بارے میں اتری ہے اور حدیث واذا قرئ فانصتوا جب امام پڑھے تو تم چپ رہو،

صحیح حدیث ہے، امام احمد بن حنبل اور ان کے شاگرد ابوبکر بن الاثرم نے اس کی تصحیح
کی ہے، پھر امام مسلم نے باب التشہد میں حدیث کے ہر دو طریق، ابوموسی اشعریؓ و ابوہریرہؓ
کی تصحیح کی ہے اور بعد ازاں ابن خزیمہ، حافظ ابوجعفر جریر طبری، حافظ ابوعمر بن عبدالبر،
حافظ ابن حزم اندلسی ظاہری، حافظ زکی الدین عبدالعظیم منذری، خاتم الحفاظ ابن حجر
عسقلانی نے فتح الباری میں اس حدیث کی تصحیح کی ہے، یہ تو اسناد کے اعتبار سے اس
حدیث کا پایہ ہے، اور باعتبار تعامل سلف و ائمہ تو اس پر صحابہ کرام کی بڑی جماعت
امام مالک، احمد، ابوحنیفہ کا اس پر عمل ہے، اور ایسی حدیث جس کے راوی ثقہ ہوں
پھر سلف کا عمل بھی اس کا موید ہو تو وہ حدیث صحیح ہے، وہ نہ کسی جرح سے متاثر ہوتی
ہے اور نہ کسی قدح سے اثر پذیر۔

اور حدیث من کان له امام فقراءة الامام له قراءة کو شیخ ابن الہمام نے مسند احمد
ابن منیع سے نقل کیا ہے، اور اس کی تصحیح بھی کی ہے، کیونکہ اس کی سند بخاری و مسلم شرط پر ہے،
اور ہمیں اب تک اس میں کسی علت کا سراغ نہیں لگ سکا ہے، اس کی سند یہ ہے اخبرنا
اسحق بن یوسف الازرق قال حدثنا سفیان وشریک عن موسی بن ابی
عائشۃ عن عبداللہ بن شداد عن جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث، اور پھر ترمذی کی ایک موقوف اور حدیث کی دیگر کتب میں
ایک مرسل حدیث اس کی موید اور معاضد ہے، اب تو وہ بلاشبہ صحیح ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ مولانا رشید احمدؒ نے حدیث عبادہؓ کی جو محمد بن اسحق کے طریق
سے مروی اور اس کے سیاق لعلکم تقرأون خلف امامکم قالوا نعم یا رسول اللہ
نعم ھذا قال فلا تفعلوا، الحدیث شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو، لوگوں نے

عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ ہم جلدی جلدی پڑھ لیتے ہیں، تو آپ نے فرمایا سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھا کرو، کی توجیہ میں فرمایا یہ اباحت اور جواز کی دلیل تو ہو سکتی ہے وجوب کی دلیل نہیں، کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر پڑھتے تھے، اسی بنا پر آپ نے ان سے دریافت فرمایا تھا کہ شاید تم میرے پیچھے پڑھتے ہو، انھوں نے جواب دیا جی ہاں تو آپ نے فرمایا بس سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرو، کیونکہ قرآن کی تمام سورتوں میں سورۂ فاتحہ کا نماز کے لیے پڑھنا متعین ہو چکا ہے، کہ امام اور منفرد کی نماز اس کے پڑھے بغیر نہیں ہوتی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے پڑھنے کے جواز کی علت یہ بتائی ہے کہ وہ قرآن کی تمام سورتوں میں نماز کے لیے متعین ہو چکی ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، امام اور منفرد کے حق میں اس سورہ کے پڑھے بغیر نماز کا نہ ہونا ظاہر ہے، اور مقتدی کے حق میں اس کا اثر کم سے کم اباحت ہوا، حنفیہ کا اس کے واجب ہونے پر اتفاق ہے البتہ اس کی اباحت و کراہت کا مسئلہ احناف میں مختلف فیہ ہے۔

اور ہمارے مشائخ نے مسئلہ رفع یدین اور آمین بالجہر کے مسئلہ میں فرمایا ہے کہ نماز میں رفع یدین کرنا اور بآواز بلند آمین کہنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی سے ثابت ہے، اور اسی طرح رفع یدین اور اخفائے آمین بھی صحیح سند سے ثابت ہے۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں امیر المومنین عمرؓ اور علیؓ سے ترک رفع یدین اور اسی طرح اخفائے آمین صحابہؓ کی ایک جماعت اور سلف صالحین سے ثابت ہے، تو ایسی صورت میں ان دونوں باتوں کو سنت ہونا چاہیے، اب بحث صرف ترجیح میں رہ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی آغاز و انجام میں راہ راست کی توفیق دینے والا ہے۔

پھر مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تلمذ سے ہمارے شیخ عدل، حجہ، مسند وقت مولانا محمود حسن نے علوم کی تکمیل کی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے فیوض سے مستفیض فرمائے،

وہی اس وقت مدرسہ کے صدر مدرس ہیں، اس ملک میں ان ہی کی اسناد پر مدار ہے، موصوف اپنے مشائخ کے طریق حق پر قائم ہیں، حق تعالیٰ نے ان کو روایات متعارضہ میں مطابقت پیدا کرنے اور تعارض کو رفع کرنے اور مشکلات حدیث کو حل کرنے کا ملکہ خاص عطا فرمایا ہے، بطور مثال ایک واقعہ پیش خدمت ہے، انھوں نے مجھ سے ایک مرتبہ فرمایا کہ کسوف کی نماز میں جو تعدد رکوع احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ آپ کے ساتھ خاص ہے، کسی خاص وجہ سے آپ نے ایسا کیا ہے لیکن امت کو آپ نے ایک ہی رکوع کی ہدایت کی ہے، چنانچہ فرمایا ہے صلوا کاحدث صلوٰۃ صلیتموھا من المکتوبۃ (جو فرض نماز کہ تم عنقریب پڑھ چکے ہو اس جیسی نماز پڑھو، یعنی صبح کی ایسے ہی کسوف کی نماز پڑھو) میں نے عرض کیا کہ سادات شافعیہ تو اس تشبیہ کو تعدد رکوع پر محمول کرتے ہیں، وحدت رکوع پر نہیں، فرمایا یہ تو بدیہی کو نظری بنانا ہے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سب کی آنکھوں کے سامنے مجمع عام میں کسوف کی نماز متعدد رکوع سے پڑھی اور امت کے لیے تعدد رکوع ہی کو مشروع کرنا تھا تو پھر آپ نے جو صحابہ نے مشاہدہ کیا تھا اس کا حوالہ کیوں چھوڑ دیا اور صبح کی نماز سے تشبیہ کی طرف میلان فرمایا، یہ محض اس لیے کیا کہ آپ نے متعدد رکوع کسی اور عارض کی وجہ سے کیے تھے اور آپ نے امت کو نماز کے مشہور و معروف طریقہ کی طرف ہدایت فرمائی۔" (ملاحظہ ہو القاسم ج ۳ شمارہ نمبر ۲ ۱۳۳۰ھ دیوبند، ص ۲۹-۳۲)

اس تقریر سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بزرگان دیوبند نے جس طرح فقہ حدیث سے خصوصی اعتنا کیا اسی طرح اس فن کے مشکلات کے حل کرنے پر بھی خاص توجہ کی ہے، سید انور شاہ نے یہ کام بہ وجوہ پایۂ تکمیل کو پہنچایا

(باقی)

عبد الباقی نہاوندی

اور

دیباچہ کلیات عرفی

از جناب ڈاکٹر محمد ولی الحق صاحب انصاری، لکھنؤ یونیورسٹی،

عہد مغلیہ خصوصاً عہد اکبری و جہانگیری، ہندوستان میں فارسی زبان و شاعری کا عہد زریں [تھا]، اس زمانے میں یہاں نہ صرف زبان فارسی کے تمام چوٹی کے شاعر جمع ہو گئے تھے بلکہ اسی دور [میں] فارسی گو شعراء کے چند اہم ترین تذکرے بھی لکھے گئے جن میں مآثر رحیمی بھی ہے جس کا مصنف [عبد] الباقی نہاوندی اکبر کے مشہور سپہ سالار عبد الرحیم خان خاناں کا معزز درباری تھا، عبد الباقی [...] الیش ۹۷۸ھ مطابق ۱۵۷۰ء، وفات ۱۰۴۲ھ مطابق ۱۶۳۲ء) نے خان خاناں کی [...]ش کا احترام کرتے ہوئے اپنی اس گراں قدر تصنیف میں نہ صرف خان خاناں اور اس کے [...]ان کے حالات درج کیے ہیں بلکہ اس کے دربار سے منسلک شعراء کے حالات اور ان کے [کلا]م کا کافی حصہ بھی اس میں محفوظ کر دیا ہے، سراج الدین علی خاں آرزو لکھتے ہیں کہ[1]

"فقیر آرزو گوید تذکرۂ مذکور را مکرر دیدہ ام۔ احوال جمیع مداحان خان خاناں را نوشتہ و جمیع اشعار کہ در مدح خان خاناں گفتہ جمع کردہ .... مناسب آنکہ نام خان خاناں عبد الرحیم است تذکرہ بہ مآثر رحیمی موسوم گردانید۔"

[1] [مجمع] النفائس (مخطوطہ بانکی پور)

لیکن یہ قابل افسوس امر ہے کہ اس اہم مصنف کے حالات زندگی نہ تو اس کے معاصرین ہی میں سے کسی نے لکھے اور نہ بعد کے تذکرہ نگاروں نے بیان کیے، اس کے معاصرین میں صرف تقی اوحدی نے اسے شعراء کی فہرست میں شامل کرتے ہوئے اس کے متعلق صرف چند سطریں تحریر کی ہیں، جو عبد الباقی کے حالات میں بالکل ہی ناکافی ہیں، اور ان سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ کاشان کے گورنر آقا خضر خاں کا چھوٹا بھائی تھا، اور آقا خضر کے قتل کے بعد اس نے ایران سے ترک سکونت کر لی تھی، عبد الباقی کے متعلق عرفات العاشقین میں درج ذیل چند جملے ملتے ہیں:[1]

"ودے برادر کہین آقا خضر است کہ مدتہا مستقلاً در کاشان حاکم مطلق بود و قبل شاہ عباس حسینی عم بزرگان ایشان کاشان را در تیول ایشان مفوض داشتہ بودند .... بعد از قتل آقا خضر در ایران نتوانست بسر برد ...."

بعد کے تذکرہ نگاروں میں صرف سراج الدین علی خاں آرزو اور احمد علی ہاشمی نے عبد الباقی کے کچھ حالات تحریر کیے ہیں، لیکن خان آرزو نے بھی عبد الباقی کی زندگی کے متعلق تقی اوحدی کے بیان پر کوئی اضافہ نہیں کیا ہے، یہی حال کچھ احمد علی ہاشمی کا بھی ہے جنھوں نے عبد الباقی کے ہندوستان آنے کے متعلق صرف درج ذیل چند الفاظ کا اضافہ کیا ہے:[2]

"عبد الباقی در عہد اکبر بادشاہ در ہند آمدہ ملازمت نواب عبد الرحیم خان خاناں اختیار نمود۔"

خوش قسمتی سے مآثر رحیمی کے دیباچہ میں خود عبد الباقی نے اپنی اس تصنیف کے اختتام یعنی ۱۰۲۵ھ تک کے اپنے کچھ حالات تحریر کیے ہیں، جو اس کے بیان کے مطابق وہ ایک کرد قبیلہ کا فرد تھا، اور ہمدان میں نہاوند کے قریب جولک نامی ایک قریہ میں پیدا ہوا تھا، اسکے[3]

[1] عرفات العاشقین (مخطوطہ بانکی پور) ص ۳۰۹ [2] مخزن الغرائب (مخطوطہ دار المصنفین، اعظم گڑھ) ورق ۲۶۹ [3] مآثر رحیمی، حصہ اول، ص ۵ (کلکتہ ایڈیشن)

اجداد افراسیاب کے زمانہ سے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے چلے آئے تھے، اور نجد آذر کے زیر
قصرِ شیرین کے علاقہ میں بسنے والے کرد قبیلوں کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے، شاہ اسمٰعیل
صفوی کی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں جب ان کرد قبیلوں کے اختلافات اس حد تک
...ہ گئے کہ جنگ و جدال تک نوبت پہنچی تو عبد الباقی کے اجداد نے وطن میں قیام کرنا
...سمجھا اور یہاں سے ترکِ سکونت کر لیا، اور شاہ اسمٰعیل کی ملازمت اختیار کرنے کے بعد
...سہ جوتک میں، جو انھیں جاگیر میں ملا تھا، قیام پذیر ہو گئے۔

عبد الباقی کے والد آقا بابا، جو اپنے عہد کی ایک مشہور شخصیت تھے، خود شاعر تھے،
...در کی تخلص کرتے تھے، شاہ عباس کے عہدِ حکومت میں انھیں عروج حاصل تھا، اور کچھ
...ہ تک وہ وزیر[1] کے عہدے پر فائز رہے۔ عبد الباقی کا بھائی آقا خضر بھی اہلِ علم کا قدردان
...سرپرست تھا۔ چنانچہ تقی الدین کاشی، صاحب خلاصۃ الاشعار، نہ صرف اس کا دوست
...درباری تھا بلکہ اس نے آقا خضر کے حالات میں ایک مستقل تصنیف مآثرِ خضریہ لکھی۔
...خضر اپنے زمانہ میں مشہور شخصیت تھا، اور شاہ عباس کے دورِ حکومت میں گیلان کی فتح
...بعد لاہیجان کا وزیر بنا دیا گیا تھا، اس عہدے پر وہ ۱۰۱۶ھ یعنی اپنی وفات تک
...رہا۔

اپنے والد اور بھائی کی وزارت کے دوران عبد الباقی نہاوندی انتظامیہ اور
...زاری کے مختلف عہدوں پر فائز رہا، اس زمانے میں اس کا قیام زیادہ تر ہمدان
...ہا، سمنان، بسطام، دلمیان اور لاہیجان میں بھی کچھ عرصہ کے لیے مقیم رہا، اور

[1] ...یر کے لغوی معنی اگرچہ بادشاہ کے مددگار کے ہیں، لیکن عہدِ صفوی میں ایران میں یہ لفظ ضلع
...ٹ کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا۔

ایک اچھے منتظم کی حیثیت سے کافی شہرت حاصل کر لی تھی، اس لیے اسے کاشان میں شاہی جائداد
اور اس بند کی آمدنی کا محصل بنا دیا گیا جسے اس کے بھائی نے کاشان سے پانچ فرسخ[1] کے فاصلہ پر
تعمیر کرایا تھا، کاشان کے قیام کے دوران میں عبد الباقی کو اس عہد کے ایران کی چند اہم ادبی
شخصیتوں مثلاً حکیم رکن الدین مسعود، ابو تراب ترکمان، مولانا حاتم کاشی، فہمی کاشی، شعوری
رفیع الدین حیدر معمائی، تقی الدین محمد کاشی سے متعارف ہونے کا موقع ملا۔

عبد الباقی کو امرائے ہندوستان کی داد و دہش کا علم سب سے پہلے ۱۰۰۶ھ میں ہوا،
اس سال خان خاناں کے دربار سے منسلک ایک امیر مغیث الدین محوی استرآبادی ہندوستان سے
ایران واپس گیا اور کاشان میں اس نے عبد الباقی کو خان خاناں کی علم نوازی اور داد و دہش
سے مطلع کیا اور اس کی علمی و ادبی محفلوں کا حال کچھ اس طرح بیان کیا کہ عبد الباقی اور کچھ دوسرے
لوگ اس کے دربار میں پہنچنے کے مشتاق ہو گئے۔ چنانچہ عبد الباقی نے اپنی اس خواہش کا اظہار
۱۰۰۶ھ میں کہی ہوئی ایک غزل کے درج ذیل شعر میں کیا ہے ؎

درعراقِ پرنفاق ایں آرزو سرمی زدم — کز سخن سنجانِ بزمِ خان خاناں نیستم

۱۰۱۶ھ (مطابق ۱۶۰۷ء) میں آقا خضر کی وفات کے بعد اس کا عہدہ عبد الباقی
کے سپرد کیا گیا، لیکن حاسدوں کی سازش نے اسے چین سے نہ لینے دیا اور آخر کار بادشاہ اس سے
ناراض ہو گیا، ایران میں اپنا قیام ناممکن سمجھ کر عبد الباقی نے ہندوستان آنے کا عزمِ مصمم
کر لیا اور ذیقعدہ ۱۰۲۳ھ (مطابق ۱۶۱۴ء) میں وہ ایران کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ کر
ہندوستان کے لیے روانہ ہو گیا، عبد الباقی کی شہرت اور اس کا مذکورۂ بالا شعر خان خاناں
کے کانوں تک پہنچ چکا تھا، اس لیے برہان پور میں خان خاناں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا،

[1] تقریباً اٹھارہ ہزار فٹ کا ایک فرسخ ہوتا ہے۔

اور ماثر رحیمی کی تالیف کی خدمت اس کے سپرد کی جسے اس نے ۱۰۲۵ھ مطابق ۱۶۱۶ء میں کامیابی کے ساتھ اختتام تک پہنچایا، ۱۰۲۵ھ کے بعد عبدالباقی کے حالات زندگی بہت ہی کم ملتے ہیں، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ۱۰۲۹ھ (مطابق ۱۶۱۹ء) میں وہ دکن اور برار میں امین کے عہدے پر فائز رہا، اس کے بعد جہانگیر کے دوسرے بیٹے سلطان پرویز نے اسے بہار کا دیوان بنا دیا، اس کے بعد کے اس کے حالات زندگی پردۂ اخفا میں ہیں، لیکن قیاس یہی ہے کہ اس نے اپنی زندگی کا باقی حصہ بہار ہی میں گذارا۔

عبدالباقی کے سنہ وفات کے متعلق اختلاف ہے، مرزا محمد حارث بدخشی کے بیان کے مطابق اس کی وفات ۱۰۴۲ھ (مطابق ۱۶۳۲ء) میں ہوئی[1]، لیکن سی، اے، اسٹوری (C. A. Storey) نے ماثر رحیمی کے ایک نسخہ پر خود مصنف کے ہاتھ کی تحریر کی بنیاد پر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ عبدالباقی کم از کم ۱۰۴۶ھ (مطابق ۱۶۳۷ء) تک زندہ تھا[2]، ماثر رحیمی کا یہی نسخہ کلکتہ میں محفوظ تھا، اور اسی کی بنیاد پر ماثر رحیمی طبع ہوئی ہے، اور جس تحریر کا اسٹوری (C. A. Storey) نے ایونو (Ivanow) کے حوالے سے ذکر کیا ہے اس کو بھی اس مطبوعہ نسخہ میں نقل کر دیا گیا ہے، اس سے یہ بات صاف طور سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ۱۰۲۶ھ میں تحریر کیا گیا تھا نہ کہ ۱۰۴۶ھ میں جیسا کہ ایونو (Ivanow) اور اسٹوری (Storey) نے لکھا ہے، نوٹ درج ذیل ہے[3]:

---

[1] تاریخ محمدی (مخطوطہ رامپور) [2] سی، اے، اسٹوری کے اس ضمن میں حسب ذیل الفاظ ملاحظہ ہوں:

"The statement of Tarikh-i-Mohammadi that he died in 1042/1632 seems to be incorrect since a Calcutta manuscr (Ivanow 140) contains a note that it was collated by the author himself in 1046/1637"

Persian Literature – A Bio-Bibliographical Su

[3] ماثر رحیمی، ج ۱ ص ۱۷

"بتاریخ پانزدہم جمادی الثانی ہزار و بست و شش ہجری وقت دوپہر مولف این زرت نامہ عبدالباقی نہاوندی بہ شرف اتمام مقابلہ این نسخہ کہ جہت یار خانی خواجہ سلطان محمد اصفہانی نوشتہ شدہ بود، توفیق یافت"

اس تحریر کی روشنی میں (جو ۱۰۲۶ھ میں لکھی گئی نہ کہ ۱۰۴۶ھ میں) مرزا محمد حارث بدخشی کا تحریر کردہ سنہ وفات غلط نہیں ثابت ہوتا۔

عبدالباقی کی اصل شہرت اس کی تصنیف ماثر رحیمی پر مبنی ہے لیکن عرفات العاشقین اور خود ماثر رحیمی کے دیباچہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ شعر بھی موزوں کیا کرتا تھا، اگرچہ پیشہ ور شاعر نہ تھا، جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہے[1]،

"اگرچہ شعر و شاعری فن و روش فقیر نبود و مدح گفتن شعار و دثار نساختہ بود دگاہے بہ تکلیف پیر و مرشد[2] خود تتبع رباعیات دل آویز ایشان رباعی می گفت"

اس بیان کے ساتھ ساتھ اس نے خان خاناں کی مدح میں کہی ہوئی اپنی ایک غزل بھی لکھی ہے، جس سے اس کی شاعرانہ صلاحیتوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

تا بکے غلطم بہ خون دیدۂ مژگان نیستم — تا بکے سوزم بہ حسرت داغِ حرمان نیستم

عندلیب باغ عشقم لیک در کنج قفس — سوزشے دارم کہ محتاجِ گلستان نیستم

گر بہ شاخ گل زنم آتش نہ بیدادے بود — منکہ مجنونِ گلم از باغ و بستان نیستم

تا نشان یا کم ز لیلیٰ جانب حی می روم — ورنہ دلگیر از سموم این بیابان نیستم

در عراق پر نفاق این آرزو دمسری می زدم — گر سخن سنجان بزم خان خاناں نیستم

تقی اوحدی نے بھی عبدالباقی کے ذکر میں اس کے بہت سے اشعار بطور نمونہ نقل کیے اور

---

[1] ماثر رحیمی، جلد اول ص ۱۳ [2] یہاں پیر و مرشد سے میر مغیث الدین محوی مراد ہیں۔

س کی شاعری کے متعلق مندرجہ ذیل خیالات ظاہر کیے ہیں[۱]:

"و عبدالباقی را اوراکے بلند واستقامت طبع و ذکاے ضمیر، مرتبۂ عالی بود و گاہے
مرتکب شعر شدہ و خوب می گفت، دیدہ ضمیرش در سخن بخلاف چشم ظاہرش کشودہ و بینا بود"

مآثر رحیمی کے علاوہ عبدالباقی کی کم از کم دو اور نثری تصانیف کا پتہ چلتا ہے جن کا ذکر
صنف نے اپنی اس تصنیف میں کیا ہے، مآثر رحیمی کے دیباچہ میں اپنے حالات اور امیر معزیت الدین
سے اپنے تعلقات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس نے محوی کے دیوان رباعیات پر
دیباچہ لکھا تھا، اس کی اصل عبارت یہ ہے[۲]:-

"چوں دریں خلاصہ در احوال میر مذکور و در دیباچۂ کہ بر دیوان رباعیات ایشاں راقم
نوشتہ مفصلاً ثبت است مکرر تصدیع نمی دہد...."

اس طرح مآثر رحیمی میں عرفی شیرازی کے حالات کے ضمن میں ابوالقاسم سراجا اصفہانی کے
کردہ کلیات عرفی پر ایک دیباچہ لکھنے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے[۳]:-

"..... وشرح احوال خیر مآل ایشاں مفصلاً از دیباچۂ کہ راقم بر کلمات حقیقت
آیات ایں مالک ملک سخنوری نوشتہ ظاہر می شود....."

کلیات عرفی کے اس مشہور دیباچہ کی طرف سب سے پہلے علامہ شبلی مرحوم نے توجہ دلائی
وہ انھیں دستیاب نہ ہو سکا، شعر العجم میں عرفی کے ذکر کے سلسلے میں رقمطراز ہیں کہ[۴]

"عبدالباقی نے اس پر ایک دیباچہ بھی لکھا جس میں عرفی کے حالات و واقعات درج کیے
چنانچہ مآثر رحیمی میں اس کا ذکر ہے، افسوس یہ نسخہ آج بالکل ناپید ہے، ورنہ بہت سی
دلچسپ باتیں معلوم ہوتیں"۔

ت العاشقین (مخطوطہ بانکی پور) ص ۱۹۴ [۲] مآثر رحیمی ج ۱ ص ۱۱۰ [۳] ایضاً ج ۳ ص ۲۹۵
ر العجم ج ۳ ص ۹۰

علمی دنیا کو اسی مشہور دیباچہ کے وجود کا علم سب سے پہلے مولانا حبیب الرحمن خاں
شیروانی کے ایک مضمون سے ہوا، جو معارف، نومبر ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا جس میں انھوں نے
اپنے ذاتی کتب خانہ میں موجود کلیات عرفی کے ایک نسخہ کا تعارف کرایا تھا[۱]، اور لکھا تھا کہ
اس نسخہ کے ساتھ عبدالباقی کا وہ مشہور دیباچہ بھی منسلک ہے جس کی ضرورت مولانا
شبلی مرحوم نے محسوس کی تھی[۲]، راقم الحروف کو اپنی تحقیق کے دوران میں کلیات عرفی
کے کچھ دوسرے ایسے نسخوں کا بھی پتہ چلا جن کے ساتھ یہ دیباچہ منسلک ہے، چنانچہ فہرست
کتابخانۂ مجلس ملی، طہران مرتبہ ابن یوسف شیرازی سے پتہ چلتا ہے کہ کلیات عرفی کا
ایک ایسا نسخہ جس کے ساتھ یہ دیباچہ منسلک ہے، طہران میں بھی موجود ہے، اس کے
علاوہ راقم الحروف کو کلیات عرفی کے دو اس قسم کے نسخے لکھنؤ میں دستیاب ہوئے،
ان میں سے ایک جناب یوسف حسین صاحب موسوی سابق صدر شعبۂ فارسی و اردو
لکھنؤ یونیورسٹی کی ملکیت، اور دوسرا جلسہ تہذیب لائبریری میں ہے[۳]، یہ دیباچہ
حیات عرفی کے متعلق ایک قیمتی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے مناسب
معلوم ہوا کہ اسے علمی دنیا کے سامنے پیش کیا جائے، بدقسمتی سے علی گڑھ اور لکھنؤ کے
تینوں نسخے جو راقم الحروف کے پیش نظر ہیں، غلطیوں سے پاک نہیں ہیں، اس لیے
کوشش کے باوجود اس دیباچہ کی درج ذیل نقل میں کچھ جملے صاف نہیں ہیں، بہرحال
اس دیباچہ کے متن کو جس حد تک درست کیا جا سکتا تھا، درست کر دیا گیا ہے،
اور اب وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

---

[۱] یہ نسخہ اب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے [۲] معارف (نومبر ۱۹۳۲ء) میں مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی کا
مضمون بعنوان "فارسی کے دو نایاب دیوان" ملاحظہ فرمائیں [۳] یہ نسخہ اب ٹیگور لائبریری، لکھنؤ یونیورسٹی میں محفوظ ہے۔

دیباچہ کلیات عرفی شیرازی

از

عبدالباقی نہاوندی

…ے کہ نخستین پایہ اش معراج دانشمندان سزد و توحید یکہ اولین حرفش سرلوح مجموعہ
…اشایان باشد مجموعہ طراز دیوان حقیقت و دفتر پیرائے کتاب طریقت و معرفت
…تائش گری خالقے را سزاست کہ رسوم شرعی و عرفی در میان اولاد امجاد
…ذاشت و بہ دو حرف کن عالم و آدم را بہ قلم قدرت نگاشت و بصور[1] مختلفہ
…غائرہ نوع انسان را در یک حقیقت موجود گردانید و یکے را ہادی و
…صاحبان ایمان و ارباب ایقان و دیگرے را باعث ضلالت و عصیان
…طغیان نمود و حکمتے در ضمن ہر یک ازیں دو حکمت بالغہ متضادہ نہاد.
…عبث باشد دریں کارخانہ روا نیست و شفیعے و راہ نمائے بجہت عاصیان
…یان خلقت مثل سید المرسلین و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بہ خلق
…ولاد و اصحاب و خلفائے او را طریقۂ[2] شریعت غرا و ملت بیضائے او گرامت
…مجید و فرقان عظیم را بہ میانۂ عاصیان فرستاد و از ماضی و مستقبل خبر داد.
…قرآن مجید و پیروان رسول صاحب دید بہ طریق مستقیم شریعت غرا گرائید
…مستوجب بہشت عنبر سرشت آیند (کذا)، و گمراہان و اہل شرکت دوزخ
…بخت کسانیکہ از گلزار معرفت بوے و از دفتر دانش حرفے و از نہال
…اشتہ باشند و دریں دو روزہ حیات مستعار حمد پیرا و نعت آرا و طاعت گرا

…ے الفت

باشند واز روز ازل نیک بخت بعالم غدار و جہان ناپائیدار آمدہ مواجس نفسانی و مطالب
شیطانی را ملازم نباشند ممنہ وجودہ بر ضمائر قدسی مآثر منتظمان عالم دانش و بینش و موزونان
عرصۂ آفرینش و سخن سنجان طور نکتہ دانی و صاحب عیاران دار العیار معانی پوشیدہ و مخفی
نیست کہ از زمان ہبوط آدم پاک بریں تودہ خاک بہ ہر وقتے نوعے از علوم بین الناس
جلالت و قدرے می یافتہ است و حکمائے آن قوم و علمائے آن ایام در آن عمل می کوشیدہ اند
منہاج نبوت بہ آن استدراج می پوشیدہ اند چنانکہ بعد از نوح علیہ السلام دعوت و عزیمت
بردہ گار ابراہیمؑ آتش پرستی و بہ دور موسیٰؑ سحر و سیمیا و بہ زمان عیسیٰؑ حکمت و طبابت و
ماہران آن قوم بر آن علم دعویٰ نبوت می کردہ اند و ایں علوم را معجزہ می دانستہ اند۔
پس قدرت بے علت الٰہی چنان اقتضا نمود کہ انبیاء اولو العزم صلوات اللہ علیہم اجمعین
راجہت ابطال آن ادیان و گوشمال ایشان مبعوث گردانید چنانکہ معجزہ نوح دعائے
او بود و معجزہ ابراہیم دخول او در آتش و معجزۂ موسیٰ عصائے مبارک او بود کہ آلات
و ادوات سحر را فرو بردہ و معجزہ عیسیٰ دم او بود کہ مردہ را زندہ کردے و بوقت ظہور
خاتم النبیین فصاحت و بلاغت بہ نوعے اشتہار یافتہ بود کہ فصحائے عرب بدیں علم دعویٰ
نبوت می کردند و امیہ بن ابی صلت کہ پیشوائے مشرکان بود کہ آیہ[1] .... در حق
آن گمراہ نزول گردید و رسم دعوی باطل کردن ......(کذا)۔ و قرآن عظیم سبحانی مبطل
زخرفات شیطانی فصحائے عرب شد۔ الحق سخن را رتبۂ عالیست۔ علمے کہ قرآن شکنندہ
آن باشد کم علمے نیست۔

۱ـ میرے پیش نظر نسخوں میں سے کسی میں بھی اصل آیت موجود نہیں ہے لیکن یہاں غالباً سورۂ اعراف کی درج ذیل آیت مراد ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ

گر نہ بودے سخن چہ گفتے کس
دُرِ معنی چگونہ سفتے کس

گر بدے گوہرے ورائے سخن
او فرود آمدے بجائے سخن

[ف]صاحت و بلاغت رفیع و وسیع است و حضرت ختمی پناہ صلی اللہ علیہ وسلم شعرا و فصحا را
[م]کرم می داشتہ اند و در اخبار و حدیث ہست کہ مدح آں سرور کائنات می گفتہ اند
[...]ِ آں سرور می خواندہ اند و صلہ ہا یافتہ اند و قبل از بعثت حضرت رسالت شعرا
[...] می گفتہ اند و می نوشتہ اند و ہر کس در علم شعر ماہر بودہ او را امار السما لقب بود،
[...]سرور قبیلہ بودہ اند و امرء القیس کہ از مشاہیر شعرائے عرب است در ایام بادشا[ہ]
[...]د امار السما لقب بودہ و حکایت خواہر جاریہ قبطیہ[1] کہ حسان بن ثابتؓ بصلہ آنحضر[ت]
[...]ت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یافتہ اظہر من الشمس است بذکر آں مصدع
[...]. اما امام المتقین و یعسوب الدین علی بن ابی طالب علیہ السلام و اکثرے از کبار
[...] مشائخ طریقت بگفتنِ اشعار رغبت نمودہ اند و در ہر قرن و زمان از فحول استادان
[...]بودہ اند چنانکہ در زمان عرب جریر و اعشی و متنبی و امرء القیس و حسانؓ و فرزدق
[...]استادان امتیاز داشتہ اند و در زمان بادشاہانِ اسلام خصوص جمعے کہ بعد از ہجرت
[...]می بودہ اند مثل عنصری و رودکی و فردوسی طوسی و انوری و خاقانی و ادیب
[...] ابو الفرج رومی و کمال الدین اسماعیل صفاہانی و مولانا روم و حکیم سنائی
[...]می و امیر خسرو دہلوی و دیگر اکابر کہ ایراد اسامی ایشان طول تمام دارد،
[...] کوس استادی و لمن الملکی زدہ اند۔ و بعد ازیں امیران کلام نیز جمعے دیگر

[1] [...]جاریہ قبطیہ سے مراد حرم رسول حضرت ماریہ قبطیہؓ کی بہن سیرینؓ ہیں جو حضرت حسان بن ثابتؓ
[...]یا زوجہ تھیں۔ [2] حضرت نبوی

اب فصاحت و بلاغت در میدانِ دانشوری راندہ اند تا زمان بادشاہ دانا دل
سخن شناس سلطان حسین مرزائے بایقرا کہ آں جماعت را الحال موزونان متقدمین
می گویند طرز خاص و روشِ پسندیدہ بودہ، دراں فن ید بیضا نمودہ اند۔ و در زمان
زوائے مومی الیہ مولانا عبد الرحمان جامی و میر علی شیر نوائی و بابا فغانی و اہلی شیرازی و کسی
شوشتری و خواجہ آصفی و میر شاہی و دیگر دانشمندان و سخنوران بودہ اند و طرز و روشِ خاص
(کذا) از قدما تجاوز نمودہ اند بہ طرزیکہ الحال درمیان مستعدان است نزدیکست
اختیار نمودہ سخن آفرینیہا کردہ اند و آں طرز را مستعدان و سخن سنجان پسندیدہ بہ آں رغبت
نمودہ اند و آئین قدماء ازیں سہ رنگذر حجلہ نشین سراپردہ صندوق [و] زاویہ گزین
تا تہائے منازل گشت (کذا) و چوں آں سخن سنجان سر در نقاب خاک کشیدند و جمعے دیگر
صاحب عیاران دار المعیار نکتہ دانی شدند مثل مرزا شرف جہاں و مولانا لسانی
و شریف تبریزی و یحیی لاہیجانی و مولانا محتشم کاشی و ضمیری صفاہانی و وحشی بافقی۔ ایں طبقہ
اینے غیر آں طرز را اختیار نمودہ اند کہ بہ روشِ متاخرین آشنا تر شدہ اند۔ تا آنکہ
نوبتِ جہانداری و ولایتِ سخن بہ میرزا قلی میلی و خواجہ حسین ثنائی و ولی دشت بیاضی و
محمد میرک صالحی و قاضی نور الدین اصفہانی و حزنی اصفہانی و فہمی و حاتم کاشی و مولانا
ملک و مرالی قمی و صبری ساوجی و حضوری قمی و عرفی شیرازی و طوفی تبریزی و میر صبری
روزبہان و ہلاکی ہمدانی و میرزائے حسابی و نظیری و شیخ علی نقی کمرہ، و دیگر سخن سرایان
بلاد عراق و خراسان رسید۔ ایں طبقہ یکبارہ منکر طرز متقدمین شدہ۔ خواجہ حسین
ثنائی بیشتر از ہمہ قدم در وادی تازہ گوئی نہاد با آنکہ ضمیری صفاہانی و محتشم کاشی و
دیگرانے کہ آں طرز را پسندیدہ اند و خوب می داشتہ اند۔ و ایں جماعت یکبارہ خود

را از آن طرز و روش بیگانہ ساختند و مستعدان ایران را طرز این جماعت کہ آغاز تازہ گو

وزبان (کذا) و توقع درہم بود بغایت خوش آمدہ اشعار آبدار ایشان را در سفائن خاطر

خود ثبت می نمودند و ہر چہ بزبان حقیقت بیان ایشان می گذشت بدستور ابیات

در سراسر ایران و توران سیار می شد تا آنکہ روزگار میدان سخنوری و عرصۂ سخن

و دانشوری را بوجود فائض الجود حسان الزمان مولانا عرفی شیرازی بیاراست و زمام

نگران سخن را بر کف کافیش نہاد و نگین معانی در حبالۂ طبعش در آورد و چشم روزگار را

بہ زادن نونہالان گل عذار[1] معانی روشن و گوش عالمیان را باستماع آن لآلی

شاہوار مخزن در عدن گردانید۔ و طرز متقدمین و متاخرین کہ قبل از زمان سخن سنجی

و نکتہ گزاری او در میدان فصاحت اسپ بلاغت راندہ بودند منسوخ ساختہ طرز

تازہ گوئی کہ الحال در میان مستعدان ربع مسکون پسندیدہ است، بہ میانہ مردم عالم آورد

فاضلان این فن و استادان این علم بہ این طرز معتقد شدہ پایہ سخنوری و مدار نکتہ پردازی

را بر آن نہادند و شیخ ابو الفیض فیضی در ہندوستان و جمعے دیگر از فحول شعرا ایران مثل

رکنائے مسیحی و حکیم شفائی اصفہانی و مولانا شانی تکلو و سائر مستعدان و موزونان این روزگار طرز خود را بان

آشنا ساختند و نفوذ و تاثیر سخن او در سکہ خانۂ معانی بنام نامی خود مسکوک ساخت و خطبۂ بادشاہی

و دانشوری بر منبر معانی بنام نامی خود خواند و این کارنامہ او در میان اہل عالم بیادگار گذاشت۔ و پیش از دیگران

بہ این طرز و روش مستقل (کذا)، نہ شد و حرف نزد۔ و در اوائل کہ طبعش بر این طریق سخن

گفتن میل[2] نمود از و پسندیدہ نمی داشتند و حمل بر بعضے مقدمات می نمودند۔ و این رتبہ و مان

از شرف تربیت و اصلاح صاحب اقبال سخن شناس قدردانی یافت کہ مربی و تربیت کن

[1] گزار [2] میل نمودند

نی مستعدان ربع مسکون است و او را (کذا) بر این طرز سخن سنجی و نکتہ گزاری بدانایان آموز

و باغ دودمان سخن افروزندہ قدر فزایندہ متاع منیر [سخن دانی] گلدستہ بند گل گلشن معانی، صاحب تمیز

زمان اہل دینی (کذا)، قدرشناس بیدار بخت، بر آرندہ تاج و تخت خان خانان کہ صاحب

گاہ او بود راہ نمائی کرد۔ الحال در مطلب[1] رود حقیقت حال مولانا عرفی رقم کردہ آید۔

از خلف خواجہ زین الدین علی بلوی شیرازیست و پدر بزرگوار ایشان گاہے بہ پیشوائی

و در شیراز و گاہے وزیر داروغہ آن شہر بودہ کہ مولانا عرفی بعضے مقامات[2] علمی را طے

نمودہ و کسب حیثیات عالیہ نمودہ و خط نسخ را بغایت نیکو می نوشت و در موسیقی داد دا

وسیع و توفے داشت و بہ صحبت شعرا میل پیدا می کرد و روز بہ وادی[3] شعر و شاعری

نہاد و چون پدرش وزیر داروغہ بود، مناسبت شرعی و عرفی را منظور داشتہ عرفی تخلص کرد۔

و اسم اصلی ایشان خواجہ سیدی محمد است و سلسلۂ ایشان را در ولایت فارس قدرے

و منزلتے بودہ و چون یک چند در دار الافاضل شیراز با موزونان بسر برد و اشعار آبدار

طبع بہ ساحل ظہور رسانید و قدم در وادی تازہ گوئی نہاد و استادے و مرشدے

ان وادی می طلبید۔ و درین اثنا صیت آوازہ سخن سنجی و زمزمہ نکتہ دانی و حقیقت موزونان

ایران و ہندوستان مثل مولانا شکیبی اصفہانی و نظیری نیشاپوری و ملقی بیگ انیسی و نثری

کامی سبزواری و بقائی خراسانی و میر مغیث محوی و غنی ہمدانی و دیگر مستعدان در

سامعہ از در او گذشت و حقیقت تربیت این نکتہ دانان در خدمت این سپہ سالار

رسید، قصد بندگی و ملازمت نمود و مس وجود خود [را] بہ اکسیر اصلاح این خلاصہ

علی شکری زر خالص ساختن پائے ہمت در رکاب سعی و اجتہاد در آوردہ[4] بہ ہندوستان

[1] الحال مطلب در طلب رود [2] مقدمات [3] در وادی شعر و شاعری پا نہادہ [4] در آوردہ بہ ہندوستان در آمد.

آمد ـ چندے قبل ازاں کہ خود را بداں دار العیار رسانید بخدمت علامۂ زمان و فضل
...لائے دوران نواب غفران پناہ رضوان جائیگاہ جنت آرامگاہ حکیم ابوالفتح گیلانی
...قربان بادشاہ ظل اللہ جلال الدین اکبر بادشاہ ہندوستان بود، رسانید. و دران...
...حسین ثنائی و سید محمد نجفی و حیاتی گیلانی و بسیارے از شعرائے نامدار کہ در خدمت...
...دند دریافت فضل و قدرت خود را بدیشاں ظاہر ساخت و بسیار مستحسن و مقبول طبع
...موحی الیہ و آں سخن سرایان سخن شناس افتاد ـ و شیخ ابوالفیض فیضی کہ از...
...شاہ و ملک الشعرائے آں زمان بود بہ شہرت استادی بادشاہ زادگان کامگار...
...مشہرت بود، از فحول شعرا روزگار است و بعد از امیر خسرو دہلوی بہتر از وے
...ہندوستان برنخاستہ، بہ صحبت او میل پیدا کرد و طرز روش تازہ کہ اختراع او...
...ع نمودہ پسندیدہ داشت و سنجیدہ دانست و بقدر رعایتے کہ از حکیم موحی الیہ...
...ازاں خود را بدربار فیض آثار صاحب دولتے کہ در ہوائے بندگی او بسیار بودند...
...یہ و بہ شرف صحبت مستعدان آں بزم فیاض و شاگردی آں ذی شان مشرف
...و شرح اعزاز و اکرام و احترامے کہ از ایں سپہ سالار نسبت بہ ایں زبدہ فضلا
...شدہ از مآثر رحیمی کہ (کذا) راقم ایں کلمات عبدالباقی نہاوندی بنام نامی
...سپہ سالار رقم زدہ، کہ تک سوانح پیمانمودہ (کذا) در خاتمہ احوال ایں بلاغت شعا...
...ت و نثار ظاہر می شود و ایں مجمل را اجمالی ایراد آں نیست و در ایام بندگی
...ن و دیگر ایام ہمیشہ بہ گفتن ابیات عاشقانہ عارفانہ میل نمودند و قدرا فزائے فضل
...ذ می بودند و قریب بہ شش ہزار بیت از ابیات آبدار ایشان بہ سببے کہ بر راقم
...یت مہجور و ابتر شد چنانکہ خود دریں بیت فرمودہ :

(بقیہ ص ۲۷۷ پر)

صد شرح ہنر چوں نہ شود محو کہ من　　　شش ہزار آیت احکام ہنر باختہ ام

و در ایام مصاحبت و ملازمت ایشان بہ دستورے معزز و مکرم بودہ کہ کورنش و تسلیمے، کہ
در ہندوستان مقرر و معمول است کہ بادشاہان و اکابر و اعیان می کنند، بہ ہیچ کس نمی کرد
و در مجالس بر ہمہ کس تقدیم می نمود و اہل زمان بہ جہت طبیعت عالی و ابیات متعالی تقدم
او را قبول داشتند. بغایت بلند ہمت و عالی فطرت بود و تا آنکہ بتاریخ نہ صد و نود و نہ
ہجری در دار السلطنت لاہور، در سنہ سی و شش سالگی متقاضی اجل بساط عمرش در نوشت
و مرغ روحش از شاخسار عالم فانی بہ گلستان جہان جاودانی شتافت و یکے از مستعدان
استاد البشر تاریخ آں قضیۂ ناگزیر یافت و او در ہمہ شہر مدفون شد ـ آخر از نتیجۂ ایں بیت
کہ در مدح سرائی سرور اولیا فرمودہ ؎

بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم　　　اگر بہ ہند بخاکم کنند یا بہ تتار

میر صابر اصفہانی نعش او را بتاریخ سنہ ثمان و عشرین الف از لاہور بہ نجف اشرف
نقل نمودہ دراں ارض مقدس مدفون ساخت و آرزوے بخاک بردہ مولانا را آں
نیک بخت برآورد ـ و در ہنگام وداع ایں دار فنا مسودات اشعار افکار ابکار خود را
بکتاب خانۂ آں عالی شان فرستاد و التماس نمود و بہ یمن ہمت توجہ شاہوار ایں
مضمار دانش و مرکز سخن دانی از پریشانی بہ جمعیت گرائید و آں نازک نہالان
گلزار معانی و نوبادگان بوستان طبیعت ایں خسروشانی بدستیاری توجہ و تربیت

(حاشیہ ص ۲۷۶) ؎ عرفی کے چند خطوط راقم الحروف کو دستیاب ہوچکے ہیں. ان میں سے ایک خط عرفی کے
ایک ایسے دوست کے خط کا جواب ہے جس نے عرفی سے اس کا دیوان عاریتاً مانگا تھا اور وہ اس سے ضائع ہوگیا تھا.
اس خط سے یہ بات صاف ہے کہ یہ چھ ہزار اشعار کا دیوان عرفی کے ایک دوست نے اس سے لیکر ضائع کر دیا تھا.

شیراز و جمعیت در آیند و از یں رہگذر کہ تربیت کردہ و پروردہ ایں سپہ سالار باشد صدر نشین
محافل و مجالس عالمیان گردند مرتب و مدون سازند (کذا) ایں بزرگ و انا را گوناگوں سوگواری
روئے داد کہ چناں سخندان نکتہ گزار و چنیں قسطاس دانشوری و سعدی ملک سخنوری نماند
(کذا) و ایں طور دانائی رخت بر بست و انچہ لازمہ بزرگی بود در مہمات مزبر بعمل آمد و ایں سواد
نامی بہ خطا ید آں دانش پژدہ بود در کتاب خانہ عالی ایشان کہ مکتب خانہ اہل عرفان ست.
بود و بعضے موانع وصیت و التماس او را در تعویق انداختہ بود تا آنکہ بتاریخ ہزار
ست و چہار ہجری حقوق و خدمت مداحی او ایں مقدمہ را در خاطر خطیر ایں سپہ سالار
رد بہ وصیت آن معیار دانشوری عمل نمودہ بآن مسودات، کہ ہر مصرع از ان
آسمان فلک معانی و خورشید جہانتاب جہان سخندانی بود، جیب و کنار حلقہ الہیت و استعداد
ہم خلف خواجہ محمد علی اصفہانی مشہور بہ سراجا کہ از جملہ آدمی زادگان اصفہان است،
معانی و گلشن جادو دانی ساختند۔ و بہ جمع و تدوین ایں زادہائے طبع آن آزاد مرد، کہ
از غایت معانی بلند و مضامین دل پسند در عالمے نگنجد، فرمان داد، اگرچہ مولانا موسی الیہ
م حیات خود دیوانے را از قصیدہ و غزل و رباعی ترتیب دادہ بود و ایں رباعی کہ احاد
تاریخ باعدد قصیدہ و عشرات باعدد غزل و مآت بہ ابیات قطعہ و رباعی موافق
در تاریخ آں دیوان گفتہ بود ؎

ایں طرز نکات سحری اعجازی   چوں گشت مکمل بہ رقم پردازی
مجموعہ طراز قدس تاریخش یافت   اول دیوان عرفی شیرازی

بعد از نمودن سفر آخرت ایں مسافر عالم قدس بعضے اشعار متفرقۂ ایشاں را، کہ در سفائن
بیت بود، بعضے از مستعدان بداں افزودند چنانچہ قریب بہ ہشت ہزار بیت بہ نظر در آمد

چنانکہ سراجا بہ ایں سعادت موفق گشتہ، امتثال امر فرمود۔ در عرض یک سال و نیم بعد از مشقت
بسیار کلیاتے مشتمل بر چہاردہ ہزار بیت از قصیدہ و غزل و رباعی و مثنوی و قطعہ و ترکیب و
ترجیع ترتیب داد و الحق د   ید بیضا نمود چراکہ آں مسودات در ہنگام مقابلہ و ترتیب
گاہے سامعہ افروز راقم می گشت، بغایت مشوش و ابتر بود و ایں قطعہ در باب ترتیب و تاریخ
ایں کلیات از نتائج طبع و قاد سراجا جامع ایں کلیات ست کہ نوشتہ است۔

عرفی آں واضع سخن کہ برد   رشک دارد روان شروانی
یکہ شروانی است در رشکش   ملکہ رومی و ہم صفاہانی
بہ چندے چو جائے بودن نیست   رفت ازیں دیر ششدر فانی
ماند از و در شاہوارے چند   کش قریں نیست بحری و کانی
صورت چند جملہ با معنی   خلقے چند جملہ روحانی
لیک آں جملگی پراگندہ   ہمہ از بے سری و سامانی
آں قدر مہلتش نہ داد اجل   کہ بہ ترتیب شاں شود بانی
گفت با دوستاں بہ گاہ وداع   کے عزیزاں بہ خشمی و جانی
برسانید زادہائے مرا   بجناب معلّم ثانی
پیر کان برید کانے را   سوئے عمان برید عمانی
صاحب علم و حلم و سیف و قلم   خان خانان سکندر ثانی
آں کہ در روز بار می رسدش   کہ سکندر کند رش دربانی
چوں کمالات را بود معدن   سزا دار عقل او نشس خوانی
دید چوں زادہائے عرفی را   جملہ محسود لعل پیکانی

لہ کر ۲ے گرز

ہمہ مانند دُر ولیک تیمیم | جملہ چوں زادہائے پنہانی
بعد یک چند بندہ را فرمود | کہ دہم شان نظام دیوانی
رت چند خون دل خوردم | تا کہ جمع آمد از پریشانی
ہم بہ اقبال صاحب کامل | ہم بہ توفیق لطفِ یزدانی
مع انتظام این اوراق | شد سراجائے خان خانانی
خرد خواستم چو تاریخش | گفت ترتیب دادہ ادانی

۱۰۲۶ھ

زمانے کہ این ژرف خدمت را بہ تقدیم رسانیدہ و این حق بر مولانا عرفی انداخت ر
بان پور صوبہ خاندیش این قطعہ وکتاب را بہ نظر اصلاح ایشاں می رسانید، راقم
شینان آں بزم فیاض بود۔ مقبول و مستحسن افتادہ بانواع صلات و انعامات
ید۔ الحال این کلیات در کتب خانہ عالی ست و الحق ہیچ یک از فصحائے زماں
ن دیوانے نیستند و اگر روزگار امانش می داد ترقیات کلی می نمودہ[ھ] ودہ برابر این
بہ فعل می آمد۔ و مستعدان بہ نوشتنِ این کلیات میل پیدا کردند و اکثرے نویسانیدند[ے]
تے کہ در میان مستعدان معتبر است، ازیں جا نقل شدہ۔ و این سپہ سالار قدر دان
ام حیات بہ این طبقہ لطف و عنایت داشتند، در ممات نیز بہ ابکار افکار ایشان
یت کردہ و مداحان خود را از خاک مذلت بر می دارند و گلدستہ مجالس و محافل می
ال این طائفہ را بہ الطاف و اشفاق سرفراز می نمایند۔ امید وار بہ درگاہ الٰہی چناں ست
مت و الطاف این گلدستہ بند گلشن معانی بر سر اہل زماں بتخصیص موزونان
مستدام و پایندہ باد۔

[ے] نوشتانیدند۔

نقد کی تاریخی، لغوی اور اصطلاحی ماہیت

از

جناب وقار احمد صاحب رضوی ایم اے

نقد کی تاریخ کا آغاز دوسرے فنونِ لطیفہ کی طرح، یونان میں ہوا۔ اہل یونان شروع
ہی سے نقد کی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے، ان صلاحیتوں کا اظہار اُس وقت ہوا جب
ل یونان نے شعراء کے عیوب و محاسن کی نشاندہی کی۔ ان کے پاس نقد کے کوئی مقررہ اصول
نہیں تھے، بلکہ ان کے وہاں نقد کی کسوٹی، ذوق، تھا۔

پھر وہ دور آیا جب ایلیڈ اور اوڈیسا کی نئے سرے سے تدوین کی گئی، اس کوشش سے
دونوں قصوں کا پہلی بار ایک معتبر نسخہ تیار ہوا۔ اس سے تنقید کی راہیں استوار ہونے میں
بھی مدد ملی اور آیندہ کے لیے ایک حد قائم کر دی گئی۔

پھر پانچویں صدی قبل مسیح کے نصف اول میں تمثیلی شاعری نے ایتھنس میں قرار پکڑا،
و ادبی تنقید نے ترقی کی اور شعراء کے لیے یہ ممکن ہوا کہ وہ تمثیلی شعر میں جو تنقید حیات سے عبارت
ہے اور زندگی کے مختلف احوال کی اصلاح کرتا ہے، وسعتِ نظر، جامعیت اور عمق پیدا کریں
اس اصلاحِ حال سے نقد کا میدان بھی وسیع ہوا اور اس میں گہرائی آئی۔

پانچویں صدی قبل مسیح کے نصف آخر میں یونان کی حیات اجتماعی میں
مختلف لحاظ سے تبدیلی واقع ہوئی۔ ایک تو یہ کہ فلسفہ کے ساتھ ساتھ عقلیت

آگے بڑھی اور یونان میں سوفسطائیت[1] کا غلبہ ہوا،

سوفسطائی چونکہ حقیقت پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے، اس لیے خطابت کے شیدائی تھے، اور اس
بات پر یقین رکھتے تھے کہ جمہور پر خطابت اثر انداز ہوتی ہے، اس نظریے نے خطابت کو فروغ دیا،
لوگوں میں خطابت کے سیکھنے کا شوق پیدا ہوا، خطابت کے معنی، اس کے اسلوب نے خطاب کرنے وال
اور جمہور کے درمیان رشتوں کو مضبوط کیا۔

دوسری طرف اسی صدی کے نصف آخر میں آرٹ، نقاشی، تصویر کشی اور موسیقی کو عروج ہو
فنی گوشوں میں تازگی اور نشاط پیدا ہوا، پھر ایسے فلسفیانہ خیالات اور نظریات پیدا ہوئے جمہور
بت پرستی اور ان افکار میں شک پیدا کر دیا جو اہل یونان کا ورثہ تھے، اور دانشوروں کے ایک گر
نے قدیم یا قدیم روایات سے انکار کر دیا، ترقی پسندوں اور رجعت پرستوں کے اس ٹکراؤ سے ادب
ایک نیا گروہ — تجدد پسندوں کے نام سے رونما ہوا،

اس نئی تحریک نے نقد فلسفی یا النقد عند الفلاسفہ کو جنم دیا، یونان کے ادب اور جمالیاتی
نے اسی عقلی نقد سے زندگی حاصل کی، اس کا اثر قدیم عربی ادب اور جدید مغربی ادب سب پر پڑا، نقد
— لفظ، معنی، موضوع سب پر حاوی تھا، اور اس نے ایلیڈ اور اڈیسہ پر نقد و تبصرہ کیا
اسی تحریک کے زیر اثر اسٹے تنقیدی ڈرامے لکھے گئے جن سے قدیم کی مذمت، اور اسلوب، مواد
موضوع کے اعتبار سے قدیم تمثیل نگاری کے مسالک کی تردید ہوتی ہے، اس کی مثال ارسطو
Aristopanes کا "قصۃ الضفادع"[2] مینڈکوں کا قصہ ہے

---

[1] سوفسطائی: ان لوگوں کو کہتے ہیں جو تشکیک کے شکار ہیں اور عالم کو ایک حقیقت نہیں محض دھوکہ تصور کرتے ہیں، ان
فلسفہ کی بنیاد وہم پر ہے، کیونکہ وہ حقائق کو نہیں مانتے، اس اعتبار سے سوفسطا اس فلسفہ کو کہتے ہیں جس کی بنیاد
وہم پر ہے یعنی جھوٹا فلسفہ الحکمۃ الملمع۔ [2] یہ ۴۰۶ قبل مسیح کی تصنیف ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ تصنیف معری کی
"رسالۃ الغفران" سے مشابہ ہے یا معری کا رسالۃ الغفران اس سے مشابہت رکھتا ہے۔

سوفسطائی حقائق اشیاء سے انکار کرتے ہیں، وہ فقط تاثیر لذت کی دعوت دیتے ہیں اور مخاطب
لیکن خاطر پر اکتفا کرتے ہیں، دلیلوں سے مخاطب کو خاموش کر دیتے ہیں، اس خاموشی سے کچھ فائدہ
یا نہیں، اس سے ان کو کوئی غرض نہیں، وہ ذات کو صرف قانع بنانے پر اعتقاد رکھتے ہیں
یعنی ذہنی لذت یا محض لذت تاثیر کے قائل ہیں۔

پانچویں صدی قبل مسیح کے آخر میں سقراط نے سوفسطائیوں کے اس نظریہ کی تردید کی، سقراط
جو پہلے خود بھی سوفسطائی تھا، لیکن بعد میں نہیں رہا، اس نے حقائق اشیا کا ادراک کیا، اور اساتذہ
کے مذہب فسطائیت کی مذمت کی، سقراط نے بیان یا علم بلاغت کی یہ تعریف کی کہ فن بلاغت
حقائق کے انکشاف کا نام ہے۔ اس میں وہ مکالمات کے مشہور طریقہ کا فرن ہوا، اور ڈرامائی
طرز خطاب اختیار کیا، صاحب نظریۂ تصویر افلاطون نے اس میں سقراط ہی کی پیروی کی۔

افلاطون ادب کو وحی اور الہام کا درجہ دیتا ہے[1]، اس کے نزدیک نقد ادبی طبیعت (نفوس)
اس کے احوال کے جاننے کا نام ہے، وہ نقد ادبی میں یہ بات بھی شامل کرتا ہے کہ طبیعت اور
فن کی طاقت کیسی ہے؟ طبیعت اور کلام بلیغ میں تناسب ہے یا نہیں ہے، وہ ماحول اور کلام
کے باہمی تعلق پر زور دیتا ہے، اور ادب کو معلومات کا ذریعہ ظاہر کرتا ہے۔

ارسطو نے اپنی کتاب "الخطابت والشعر" میں اصول بلاغت اور نقد کے ان تمام موضوعات

---

[1] امثال افلاطونی یا مُثُلِ افلاطونیہ: یہ ہیں کہ وجود اور ماہیت ایک چیز ہیں، ماہیت کا درجہ، وجود سے
پہلے ہے، ہر چیز سے پہلے کچھ حقائق ہوتے ہیں، جیسے مکان بننے سے پہلے اس کا نقشہ، ان کو حقائق امکانیہ
کہتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ثبوت کا درجہ وجود سے پہلے ہے، اسی پر افلاطون نے اپنے نظریۂ تصویر کی بنیاد رکھی ہے
ثبوت علم واجب ہے، غیر واجب ہے، الگ تھلگ ہے یعنی حقائق امکانیہ کا ثبوت، ظاہری وجود کے علاوہ ہے
وجود سے بالکل منفصل ہے، اسی کو مثل افلاطونی کہتے ہیں۔

...دیر حاصل بحث کی ہے، ارسطو نے سب سے پہلے شاعری کو نقالی سے تعبیر کیا، اور انسان کو ایک...
...انور بنایا، ارسطو نے ارادے کو اپنے علم اور عقیدے کے خلاف استعمال نہیں کیا، اس نے...
...لن رائج کیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جو فرد یا قوم اجتماعی طور پر ارادے کا صحیح استعمال نہیں کرتی...
...یاسی غلامی اور روحانی بحران کا شکار ہوتی ہے، ارسطو نے حال کے شعور میں ماضی کا...
...ستقبل کے آئینے میں حال کا احساس بیدار کیا، اس نے نفی سے مثبت کو...
...ذ کیا، اور جدلیت کو نشاط تخلیق کا راستہ بنایا، اس نے منطقی قیاس اور استدلال کے...
...سول کو عالم مادی پر منطبق کیا، وہ ہرخلی الکتاب کو مادی دنیا کا تخلیقی عکس تصور کرتا...
...رشاعری کو فنون لطیفہ کی شاخ مانتا ہے۔

جس طرح یونان میں نقد پہلے سلبی یا انفعالی تھا، اسی طرح عربوں میں ابتداً نقد سلبی تھا...
اس کا مدار محض ذوق پر تھا، اس کے قوانین مدون نہیں تھے، جاہلیت میں شعر اور شاعری...
...ے میں غور و خوض کرنے کو نقد کہتے تھے، شعرا کے باہمی مقابلہ، اسواق عرب میں انکے...
...شاہوں اور نوابوں کے درباروں میں شعر و شاعری کے چرچے نے نقد کو پروان چڑھایا۔

شعر و سخن کے مقابلوں اور ادبی مباحث کے لیے عربوں کے یہاں ادبی مجلسیں منعقد...
...رتی تھیں، جن کو "اندیہ" کہا جاتا تھا، قریش کی مجلس کا نام "نادی" اور جوار کعبہ کی مجلس کا...
...دار الندوہ" تھا، ان مجالس سے عربی نقد و ادب میں ترقی و اضافہ ہوا، ان کے علاوہ...
...ب میں مختلف مقامات پر موسمی بازار اور سالانہ میلے ہوا کرتے تھے، جہاں ہزاروں کی تعداد...
...وگ جمع ہوتے تھے، ان میں "سوق عکاظ" زیادہ مشہور ہے، "ذو المجاز" اور "ذو المجنہ"...
...اہم میلے تھے، ان اسواق میں مشاعرے بھی ہوا کرتے تھے، اور آجکل کے پریس، اخبار...
...ن اور رسائل کا کام انجمن اسواق کے ذریعہ لیا جاتا تھا،

حسان بن ثابت کا شعر ہے ؎

لنا الجفنات الغر یلمعن بالضحی   واسیافنا یقطرن من نجدۃ دما

ہمارے لیے بہت سے روشن لگن (خوان کرم) ہیں، جو دھوپ کے وقت خوب چمکتے ہیں، یعنی ہم سخی ہیں۔
اور ایسی تلواریں ہیں کہ شجاعت کی وجہ سے ان کے منہ سے خون ٹپکتا ہے، یہ ہماری بہادری کا عالم ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سوق عکاظ میں جب حسان بن ثابت نے مذکورہ شعر پڑھا تو نابغہ ذبیانی نے اس شعر پر برجستہ حسب ذیل تنقید کی۔

۱۔ اگر حسان غر کے بجائے بیض کہتے تو اچھا ہوتا، کیونکہ غر اس قلیل سفیدی یا سفیدی کے اس چھوٹے دھبہ کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے رنگ کے درمیان واقع ہو، اگر وہ بیض کہتے تو اس میں غرۃ کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہوتا۔

۲۔ اسی طرح اگر حسان یلمعن بالضحی کے بجائے یلمعن بالدجی کہتے تو زیادہ اچھا تھا، کیونکہ دن میں چمکنا کوئی بڑی بات نہیں۔

۳۔ اسی طرح اگر یقطرن کے بجائے یجرین کہتے تو زیادہ غلو کے معنی پیدا ہوتے کیونکہ جری یجری کے معنی بہنے کے ہیں، اور ٹپکنے اور بہنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اس اعتراض کے جواب میں ذیل کی باتیں کہی گئیں:

۱۔ غر سے شاعر کا مقصد لگن کی چمک نہیں بلکہ خوان کرم کا خلق میں مشہور و معروف ہونا ہے، جیسے کہا جاتا ہے یوم اغر اور ید اغر، ان دونوں جگہوں پر اغر کے معنی حقیقۃً چمک نہیں بلکہ مشہور و معروف کے ہیں۔

۲۔ اسی طرح ضحی کے بجائے دجی کا لفظ بھی صحیح نہیں، کیونکہ دن میں وہی چیز چمکتی ہے جو زیادہ روشن اور درخشاں ہو، اس کے برخلاف رات میں خفیف چمک والی چیزیں

نمایاں ہو جاتی ہیں، یہی حال چراغوں اور فانوسوں کا ہے۔

۳۔ تیسرا اعتراض عربی محاورے اور روزمرہ کے خلاف ہے، اہل عرب شجاع
ادر کی تعریف کے موقع پر سیف یقطر دما بولتے ہیں۔ سیفہ یجری دما
بولتے، اگر شاعر یجرین دما کہتا تو خلاف قیاس لغوی ہوتا،

اس تنقید سے ثابت ہوتا ہے کہ نقد کے اصول اور ضوابط ناقد کے ذہن میں بالقوۃ
تھے، ایام جاہلیت میں عملی تنقید کے اس قسم کے بہت سے واقعات[1] ملتے ہیں، گو اس
فن نقد مرتب نہیں ہوا تھا، لیکن بعد کی صدیوں میں ادبی ثقافت پر ان مجالس
کا گہرا اثر پڑا، ان ہی میلوں ٹھیلوں اور ادبی محفلوں کی بدولت عربی ثقافت
نے نشو و نما پائی، اسلوب و آہنگ نے حیات ادبی کو نشاط و تازگی عطا کی،
نے ادبی دراست کے فرائض انجام دیے، شاید اسی وجہ سے الشعر دیوان
کہا جاتا ہے۔

ور جاہلیت میں کلام پر رائے میں جنبہ داری اور خاندانی عصبیت کو بھی دخل تھا،
پنے شاعر کو اچھا کہنے کی کوشش کرتا تھا، اس وقت لفظ و معنی یا مواد و ہیئت
نقد میں شامل تھے، مگر یہ نقد سلبی تھا، اس کا اعتماد تاثر پر تھا، کوئی ضابطہ کلیہ
عر کی قیمت اور شاعر کا مرتبہ اہل ذوق متعین کرتے تھے، جیسا تاثر ہوتا ویسا ہی
یا جاتا تھا، گویا تاثر شخصی کا دوسرا نام نقد تھا،
ب بات یہ تھی کہ ہر شاعر کا ایک راوی[2] ہوتا تھا، اس کا کام اپنے شاعر کی طرفداری

---

[1] طور پر یہ مشہور مقولہ بھی جاہلی تنقید کی اچھی مثال ہے: اشعر الشعراء امرؤ القیس اذا رکب والنابغۃ اذا
زہیر اذا رغب والاعشی اذا طرب۔ [2] جاہلیت کے بعض مشہور رواۃ کے نام یہ ہیں:
نوفل۔ ابو الجہم بن حذیفہ۔ حویطب بن عبد العزی۔ عقیل بن ابی طالب رض

کرنا تھا اور اپنے حافظہ، ذہانت کے ذریعہ اسکے کلام کو محفوظ رکھتا تھا، چنانچہ زہیر اور نابغہ کے مسالک شعر کو
الگ الگ دبستان شاعری تسلیم کیا جاتا تھا، شعر کے علاوہ نثر کے شہ پاروں اور ماہرین لغت وادب کے
الفاظ و خیالات کی باقاعدہ روایت کیجاتی تھی، اسلیے عربی ادب میں ترسیل و روایت کو خاص اہمیت حاصل تھی،
عہد اموی تک روایت شعری کا سلسلہ جاری رہا، پھر انہی راویوں، جیسے ابو عمرو بن العلاء متوفی ۱۵۴ھ،
حماد الراویہ متوفی ۱۵۶ھ، خلف الاحمر متوفی ۱۸۰ھ، ابو عبیدہ متوفی ۲۰۹ھ،
الاصمعی متوفی ۲۱۶ھ کے ذریعہ شعرائے جاہلیۃ کے کلام کا بڑا ذخیرہ محفوظ کیا جا سکا،
جس کی ترتیب و تدوین کی جانب پہلا قدم عصر عباسی میں اٹھایا گیا،

رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے دنیائے عرب میں سیاسی اور ذہنی
انقلاب آیا، اسلام نے ان کی معاشرت، تہذیب و تمدن، ادب اور علوم و فنون پر گہرا
اثر ڈالا، ان کی زندگی کے پورے ڈھانچہ کو بدل دیا، اس سے ان کے ادبی و علمی رجحانات میں
تبدیلی واقع ہوئی، جاہلیت میں عرب اپنی عصبیت پروری اور نسبی فضیلت پر فخر کرتے تھے،
اسلام نے اس کو مٹا دیا،

ان من الشعر لحکمۃ وان من البیان لسحرا۔ اس حدیث سے نبی اکرمؐ کے تنقیدی
شعور کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اسی طرح امرؤ القیس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی رائے ھو اشعر الشعراء وقائدھم الی النار سے بھی آپ کے تنقیدی ذوق کا
اندازہ ہوتا ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ صرف اس شعر کو ترجیح دیتے تھے جو
لوگوں کو اخلاق فاضلہ کی تعلیم دے، اس لیے پاکیزہ شعر کو پسند کرتے تھے، خلفاء میں
حضرت عمرؓ کی وہ تنقید جو انھوں نے زہیر کے کلام پر کی تھی، ایجابی نقد کی ایک علامت ہے،

رکی تفسیر بھی کرتی ہے اور اس میں نقد کے اسباب و علل کی طرف نشاندہی بھی ہے.

ـه كان لا يعاظل فى الكلام	زہیر کے کلام میں الجھاؤ نہیں، وہ نامانوس
ن يتجنب وحشى الشعر	اور غریب الفاظ استعمال نہیں کرتا اور
ديمدح احدا الا بمافيه	غیر واقعی اوصاف سے کسی کو متصف نہیں
	کرتا یعنی مدح میں غلو سے کام نہیں لیتا،

رمی شعراء میں حسان بن ثابت متوفی ۵۴ھ، کعب بن زہیر متوفی ۲۴ھ
ن رواحة متوفی ۸ھ، خنساء متوفی ۲۴ھ اور الحطیئۃ العبسی کے نام
یں.

صدی ہجری میں نقد کے مفہوم میں کچھ وسعت آئی، لفظ، معنی، وزن، اخلاق
ت شعر کے تمام عناصر نقد میں شامل ہو گئے، قوت کلام کے لحاظ سے شعراء
مقرر کیے گئے، عہد جاہلی کے نقد کا مدار ذوق پر تھا، ظہور اسلام کے بعد
عت پیدا ہوئی. شعراء کے باہم موازنے ہونے لگے، جو نقد جاہلی کے مقابلہ
رح کی ترقی ہے، اس دور کے اہم شعراء کے نام یہ ہیں: جریر متوفی ۱۱۰ھ،
فی ۱۱۰ھ، اخطل متوفی ۹۵ھ، ذوالرمۃ متوفی ۱۱۷ھ، جمیل
ھ، کثیر عزہ متوفی ۱۰۵ھ اور عمر بن ابی ربیعہ متوفی ۹۳ھ،

صدی میں فنی نقد کے ساتھ ساتھ لغوی اور نحوی نقد بھی پیدا ہوا، اس کی
اہل لغت اور اہل نحو نے حصہ لیا. یہ علمائے لغت اور نحو، خاص طور
ور کوفہ سے تعلق رکھتے تھے. یہ نقد اس نسبت کی بنا پر تھا جو ادب کو لغت،
ض سے ہے. نقد کے ذیل میں شاعر کے ماحول اور شخصیت سے بھی بحث

کہانی بھی، اور شعر کی ہیئت اور اسلوب سے بھی. اس طرح نقد کا دامن وسیع ہوا،
جاہلیت کے طبقہ اولی میں عدی بن زید کو شعرائے ریف میں اسی وجہ سے
شمار کیا جاتا ہے کہ شہری اثرات نے ان کے کلام کو کمزور بنا دیا تھا، اس میں بداوت باقی
نہیں رہی تھی، بداوت کی سادہ زندگی اور دیہی حسن جو شاعری کی جان ہے، اس کے
کلام سے جاتا رہا تھا، اور شہری زندگی کے ماحول اور اس کے اثرات نے اس کی شاعری
میں حضارت پیدا کر دی تھی،

دوسری صدی ہجری میں شعرائے محدثین کا گروہ تیار ہوا، اس طبقہ نے جس کو
مولدین کہا جاتا ہے، قدیم عربی شاعری کے عناصر کھنڈرات کا ذکر، کسی ٹیلے کے
قریب جا کر گذشتہ یادوں کو تازہ کرنا، دیار محبوب کا تذکرہ، تالاب اور پانی کے
چشموں کا بیان اور ان کے قدرتی مناظر کی تصویر کشی وغیرہ ترک کر دیے اور انکے بجائے
رندی و سرمستی، مے و مینا اور الحاد کے مضامین کو موضوع سخن بنایا، اس گروہ کا
سرخیل ابونواس متوفی ۱۹۹ھ تھا، اس کے معاصر شعراء میں بشار بن برد متوفی
۱۶۷ھ، ابوالعتاہیہ متوفی ۲۱۱ھ اور مسلم بن الولید (صریع الغوانی) متوفی
۲۰۹ھ کے نام آتے ہیں.

اس صدی میں سامی نسلیں آریوں سے ملیں، جس سے ان کی حیات اجتماعی
اور ذہنی میں تبدیلی پیدا ہوئی، محدثین نے اپنا الگ راستہ تلاش کیا، انھوں نے
قدیم بدوی محاورے چھوڑ دیے اور بداوت کے بجائے حضارت کو موضوع بنایا
اس تغیر کا اثر الفاظ، معانی، وزن اور شعر کی ساخت اور اسکی پوری ہیئت میں ہوا، ان
شعرائے تمثیل نگاری کے بجائے، غنائی شاعری اور تغزل کو اپنا شعار بنایا، اسی صدی

قدیم اور جدید شاعری میں موازنہ کرنے والے ناقدین ابھرے، قدیم سے مراد جاہلیہ
صدر اسلام کی شاعری ہے، جس میں یہ ناقدین قدیم کو نمونہ بناتے ہیں، نیا دور زندگی
تقاضوں کے ساتھ چلتا ہے، نقد نے قدیم سے جو ورثہ پایا تھا، اس دور میں اس میں
ہوئی، یہ حالت تیسری صدی ہجری تک باقی رہی،

اس دور کے علما اور محققین نے اسلامی ثقافت کو آپس میں تقسیم کر لیا، علما نے
آن، حدیث، فقہ اور اصول فقہ کی طرف اپنی توجہ مبذول کی، اہل لغت لغت
وین میں مشغول ہوئے، کچھ لوگوں نے نحو اور عروض کو مرتب کیا، مترجمین نے
، ایران، روم اور سریانی و ہندوستانی علوم کی کتابوں کو عربی میں منتقل کیا،
دوسری صدی ہجری ہی میں المفضل الضبی متوفی ۱۶۸ھ نے اپنی کتاب المفضلیات
ت کی، عربی شاعری کے منتخبات میں "السبع المعلقات" کے بعد "المفضلیات" ہی کا
ہے، اس مجموعہ میں ۱۲۸ قصائد ہیں، ان قصائد کو المفضل الضبی نے خلیفہ منصور
سے اس کے بیٹے مہدی کے لیے منتخب کیا تھا، اس مجموعہ کا اصل نام مختارات
رات ہے، لیکن بعد میں مدون کے نام سے مشہور ہو گیا۔

دوسری صدی ہجری میں سکینہ بنت حسین کی مجالس انتقاد بھی بہت اہمیت رکھ
خاندان بنی حکم کے عہد میں سیدہ سکینہ — دختر حسین شہید کربلا، نہایت نامور
خاتون گذری ہیں، جو حسب و نسب، حسن و جمال، ظرافت و شرافت، زہد و
اپنے زمانہ کی خواتین میں نہایت بلند درجہ رکھتی تھیں، ان کا مکان شعرا و ادبا
اصحاب کمال کا مرکز بنا ہوا تھا، اس میں علمی محفلیں اور تنقیدی مجلسیں منعقد ہوتی
تیسری صدی ہجری نقد اور عربی شاعری کے لحاظ سے بہت اہمیت رکھتی ہے، اس

صدی میں جہاں بڑے بڑے شعرا پیدا ہوئے وہاں عربی اصول نقد کو بھی مدون کیا گیا، شعرا
میں ابوتمام متوفی ۲۳۱ھ، البحتری متوفی ۲۸۴ھ نے جدید شعر کی خصوصیات اور
اس کے عیوب سے واقفیت حاصل کی۔ نقد قدیم نے وسعت اور ہمہ گیری کے اعتبار
سے اس صدی میں بڑی ترقی کی،

اسی صدی میں تقریباً ہر بڑے ادیب نے فن تنقید میں انفرادیت حاصل کی،
ان کو قدیم عربی ادب پر عبور کے ساتھ جدید ادب میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی، اور
انھوں نے ادب کو فطری جمال اور اسلوب سے ہم آہنگ کیا، اس سے ان کا ذوق
ہم، پاکیزہ، لطیف اور مہذب ہو گیا، اس صدی میں اعلیٰ تنقید اور احکام نقد پر
کتابیں لکھی گئیں، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:-

ابوعبیدہ متوفی ۲۰۹ھ کی "مثالب العرب"، ابوحاتم سجستانی کی "کتاب المعمرین"، محمد
ابن سلام الجمحی متوفی ۲۳۲ھ کی "طبقات الشعراء الجاہلیین والاسلامیین"، ابوزید القرشی
کی "جمہرۃ اشعار العرب"، جاحظ متوفی ۲۵۵ھ کی کتاب المحاسن والاضداد"، ابن قتیبہ
متوفی ۲۷۶ھ کی "الشعر والشعراء"، ابوسعید السکری متوفی ۲۷۵ھ کی "اشعار الہذلیین"
ابوالعباس المبرد متوفی ۲۸۵ھ کی "کتاب الکامل"، ابوالعباس ثعلب نحوی متوفی
۲۹۱ھ کی "قواعد الشعر"، ابوتمام کی حماسہ (۲۸۴ھ) کے بعد البحتری کی حماسہ
(۲۹۱ھ) یہ سب کتابیں اسی صدی میں معرض وجود میں آئیں۔

اس دور کے نقد کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) اہل لغت (۲) ادیب (۳) وہ علما جنھوں نے دوسری زبانوں کے ادب کا
مطالعہ کیا، ۴- وہ علما جو یونانی منقولات سے زیادہ متاثر ہوئے۔

اسی صدی میں شعراء کے طبقات کا باقاعدہ تعین کیا گیا۔

چوتھی صدی ہجری میں عربی نقد منتہائے عروج کو پہنچ گیا، اس صدی کے نقد میں
ت نظر، بلوغ فکر اور معانی میں گہرائی پائی جاتی ہے، تیسری صدی کے ناقدین اپنے
ل وتجزیہ اور ضوابط نقد سے بحث میں اس حد تک نہیں پہنچ سکے تھے جہاں چوتھی
ی ہجری کے علماء پہنچے، جب سے عربی شاعری معراج کمال کو پہنچ گئی، اس صدی میں
پاروں کا تحلیل وتجزیہ کیا گیا، اور ان کو اصول نقد کی کسوٹی پر پرکھا گیا، شعر کو منطق
اور اصول اخلاق سے وابستہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس صدی میں ناقدین
م اور بحتری کے درمیان موازنہ اور ان کی شاعری پر بحث ومباحثہ کرتے تھے
ب یہ تقابلی جنگ متنبی متوفی ۳۵۴ھ اور اس کے رقیب ابن المعتز عباسی
۲۹۶ھ کے مابین رہی۔ اس جنگ سے تنقیدی ادب میں اضافہ ہوا
آمدی متوفی ۳۷۱ھ کی کتاب "الموازنہ بین الطائیین"، ابوبکر الصولی
۳۳۵ھ کی کتاب "اخبار ابی تمام"، قاضی جرجانی متوفی ۳۹۲ھ کی کتاب
طہ بین المتنبی وخصومہ" ان ہی واقعات سے متاثر ہوکر لکھی گئیں، یہ کتابیں
رج الاصبہانی متوفی ۳۵۶ھ کی "الاغانی"، الصاحب بن عباد متوفی
ھ کے "رسالہ فی الکشف عن مساوی المتنبی" اور ابو علی الحاتمی متوفی ۳۸۸ھ
یں رسالہ کے علاوہ ہیں، جس میں اس نے متنبی کا ارسطو سے افکار
یں موازنہ کیا ہے۔

س طرح تنقید نے ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کرلی، اور اس کا شمار ایک
م اور ادبی فن میں ہونے لگا۔

چوتھی صدی ہجری میں جن کتابوں نے فن نقد کو فروغ دیا اور اس کو مستقل فن کا درجہ دیا ان میں قدامہ بن جعفر متوفی ۳۳۷ھ کی "نقد الشعر" اور "نقد النثر" کے نام سرفہرست ہیں، قدامہ نے سب سے پہلے عربی اصول نقد کا استخراج کیا اور شاعری کے لیے منطق، فلسفہ اور اصول اخلاق کو شرائط تاسیس قرار دیا، ان کے بعد ابن عبد ربہ متوفی ۳۲۸ھ کی "العقد الفرید"، ابن الندیم متوفی ۳۸۵ھ کی "الفہرست"، ابو الہلال العسکری متوفی ۳۹۵ھ کی کتاب "الصناعتین"، ابوعبداللہ محمد بن المرزبانی متوفی ۳۸۴ھ کی کتاب "الموشح" کے نام آتے ہیں، اسکے علاوہ ثعالبی نیشاپوری متوفی ۴۲۹ھ کی "یتیمۃ الدہر"، ابن الرشیق القیروانی متوفی ۴۵۶ھ کی "العمدہ"، محمد بن سعید القیروانی متوفی ۴۴۶ھ کے "رسائل الانتقاد" اور رسائل الخوارزمی (متوفی ۳۸۳ھ) کے نام بھی اسی ذیل میں آتے ہیں۔

متنبی اور ابن المعتز کے علاوہ ابن الرومی متوفی ۲۸۳ھ اور ابو العلاء المعری متوفی ۴۴۹ھ اس دور کے مفکر اور فلسفی شاعر ہیں، جن کے بلند تصورات سے عربی شاعری میں فلسفہ اور فکر کا تعمق شامل ہوا۔

اس صدی میں سرقہ شعری کا بھی نقد میں شمار ہونے لگا، اس طرح وہ چیزیں جو نقد کی شاخ تھیں، نقد میں داخل ہوگئیں، اس نے آیندہ کے لیے نقد کا دروازہ کھول دیا۔

چوتھی صدی ہجری کے لٹریچر نے جو ذہنی فضا اور تخلیقی رو پیدا کی وہ گذشتہ صدیوں کی ذہنی فضا اور تخلیقی جوش سے بڑی حد تک مختلف تھی، اس دور کی تنقید نے تہذیبی، علمی، ذہنی افق اور معاشرتی اور نفسیاتی پس منظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے عصری شعور اور احساس کے اظہار کی ذمہ داری پوری کی، تنقیدی تخلیقات کا مطالعہ، شاعری

دوں کا تعین اور نئے شعور و احساس کے اظہار کی صورت و سیرت کا واضح تصور
رنے میں معاون ثابت ہوا، ناقدین نے ادیب و شاعر کے مافی الضمیر کو قارئین تک
ا. اس دور میں احساس و تاثر نے بلوغ کی منزل میں قدم رکھا، اور ابلاغ کے
دوں کا احترام کیا گیا، اسی صدی میں نقد نے فلسفہ کے ذریعہ فکر میں گہرائی اور
نظری پیدا کی،

اس کے بعد آنے والی صدیوں میں ادب پر نقد کے ان ہی اصولوں کا اثر پڑا، اس میں
معلول کا لحاظ بھی رکھا گیا، یہ تنقید، موضوع کی تفسیر کرتی ہے، اور اس میں ضابطہ و
بھی صلاحیت ہے،

المحیط اور لسان العرب میں نقد کے معنی یہ ہیں :-

التنقاد والانتقاد	تنقاد : بفتح التاء، مصدر ثلاثی مجرد
تمییز الدراهم واخراج	نقد : (نصر ینصر) اور باب افتعال سے مستعمل
الزیف منها[1]	ہے، ان دونوں ابواب سے نقد کے معنی کھرے کھوٹے
	میں تمیز کرنے اور کھوٹے کو نکالنے کے ہیں۔

سیبویہ کا قول ہے ۔

تنفی یداها الحصی فی کل هاجرة نفی الدراهم تنقاد الصیاریف

ہیں،
ہیں کلام کے محاسن و معائب بیان کرنے کے لیے صرف دو مصدر نقد (نصر ینصر) اور انتقاد استعمال ہوتے
ید کا عربی لغت میں وجود نہیں، اور نہ عربی میں نقاد، ادبی پارکھ کے معنی میں بولا جاتا ہے، اردو میں
ے criticism کا ترجمہ تنقید کیا جاتا ہے، جو غلط العام کا مصداق ہے، زیادہ صحیح لفظ نقد یا انتقا
ہیں کا مفہوم پرکھنا یا جانچنا ہے۔ اس کے علاوہ تنقد (تفعل) اور تناقد (تفاعل) دونوں مصدر نقد کا مفہوم ادا نہیں کرتے
مصدر مناقدہ، مناقشہ کے معنی میں ہے، اسی طرح ادبی پارکھ کے معنی میں ناقد اور منتقد آتا ہے
جمع نَقَدَۃ اور نُقَّاد ہے۔

یہ شعر اونٹنی کی تعریف میں ہے :
اونٹنی کے اگلے دو پاؤں کنکریوں کو اس طرح پھینک رہے ہیں، جس طرح صراف سکوں کو پرکھ کر پھینک دیتا ہے
نقدت الدراهم وانتقد تها : اخرجت منها الزیف۔ میں نے کھرے کو کھوٹے سے الگ کر دیا۔
یہ نقد کے قدیم لغوی معنی ہیں، اس معنی و مبنی کی رو سے نقد کے معنی ہوئے
التمییز بین الجید والردی من الدراهم والدنانیر: نقد کے معنی اول کھرے کھوٹے
دراہم و دنانیر میں تمیز کرنے کے ہیں۔ کھرے کھوٹے میں فرق وہی شخص کر سکتا ہے جس کے پاس تجربہ اور
مطالعہ ہو، اس میں موازنہ کی صلاحیت ہو،

المنجد میں نقد کے معنی یہ ہیں :
نقد نقدا، وتنقادا (نصر ینصر) الدراهم وغیرها: میزها ونظر هالیعرف جیدها من ردیئها
کھرے کھوٹے سکوں میں تمیز کرنا

ـ الکلام : اظهر مابه من العیوب او المحاسن۔ کلام کے معائب و محاسن بیان کرنا۔
انتقد الدراهم : اخرج الزیف منها، کھروں میں سے کھوٹے کو نکالنا۔
انتقد الشعر علی قائله : ای اظهر عیبه، شعر کہنے والے کے کلام کے معائب ظاہر کرنا۔
ـ الکلام : اظهر عیوبه ومحاسنه ۔ کلام کے معائب و محاسن بیان کرنا۔

اس اعتبار سے نقد کے تین اہم معنی ہوئے، اوّل وہ لغوی معنی جو عام طور سے سَرہ کردن
درہم کا مفہوم ادا کرتے ہیں، دوسرے نقد کلام اور انتقاد کلام جو ایک ہی چیز ہیں، البتہ انتقاد
شعر صرف اظہار عیوب کے لیے آتا ہے، اور انتقاد کلام کے عیوب و محاسن دونوں کے ظاہر کرنے کو کہتے ہیں۔

نقد کے دوسرے معنی بھی ہیں اور وہ یہ ہیں :

نقدت رأسه باصبعی: ضربتها	میں نے انگلی سے اس کا سر ٹھوک بجا کر دیکھا
نقدت الجوزة (نقدها: ضربتها	میں نے اخروٹ کو بجا کر دیکھا۔

حدیث ابی درداؓ کی تفسیر اسی معنی میں کی جاتی ہے۔

...ت الناس نقدوك وان ترکتھم ترکوك: اگر تم لوگوں کے عیب بیان کروگے تو وہ بھی تمھارے
...چینی سے کام لیں گے، اور اگر تم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دوگے تو وہ بھی تم کو چھوڑ دیں گے۔

یہاں نقد کے معنی عیب جوئی، ثلم اور نکتہ چینی کے ہیں۔

...نقد کا antonym مدح الاطراء اور تقریظ ہے، اطراء: مبالغہ کے ساتھ تعریف کرنے کو کہتے ہیں۔
...: قرظ، ایک بوٹی ہے جس سے چمڑے کی دباغت کیجاتی ہے، اس لحاظ سے تقریظ کے معنی چمڑے کی
...ہیں، اور دباغت کیے ہوئے چمڑے کو ادیم مقروظ کہتے ہیں، چمڑے کی دباغت قرظ سے اسلیے
...ہے کہ اس کے ملنے سے چمڑا خوبصورت بنتا ہے اور ظاہری حسن و جمال سے مزین ہوجاتا ہے۔
...نقد میں ذم کا پہلو بھی ہے اور تقریظ صرف مدح و ثنا کو کہتے ہیں۔

...تمام وہ اہم معنی ہیں جو لغت نے اس مادۂ نقد کے لیے وضع کیے ہیں، ان میں سے اکثر معنی خاص...
...ع لغت سے مناسبت رکھتے ہیں، وضع لغت میں نقد کے معنی کھرے کھوٹے میں تمیز کرنے کے ہیں
...تبار سے کلمہ نقد منقول ہے، مرتجل نہیں ہے، کیونکہ نکتہ چینی کا مفہوم سب میں پیدا ہوتا ہے۔

...صطلاحِ جدید اور اکثر متقدمین کے نزدیک نقد سے مراد صرف یہی نہیں ہے کہ نقائص ہی بیان کیے
...اوصاف بیان کرنا بھی نقد میں داخل ہے، نقد کے معنی پرکھنا یا جانچنا ہیں، اگر غور سے
...نقد کے مفہوم میں حسب ذیل چار چیزیں آتی ہیں:- (۱) تحلیل و تجزیہ (۲) موازنہ (۳) تمیز (۴) فیصلہ۔
...س اصطلاح میں نقد ادبی، ادب پاروں کا تحلیل و تجزیہ، باہمی موازنہ، اسکا صحیح اندازہ کرنا اور
...قیمت اور درجہ متعین کرکے ان کے بارے میں فیصلہ صادر کرنے کو کہتے ہیں۔

...نقد ادبی، ادب کے ساتھ مخصوص ہے، اس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ ادب پارے کا مقام کیا ہے؟ اور تاریخ
...یں اس کا کیا درجہ ہے؟ یہ اس کی اضافی قیمت ہوگی۔

اثاثۂ تاریخیہ

رپورٹ انجمن ترقی اردو

مولانا شبلی نے انجمن ترقی اردو کی نظامت کے زمانہ میں یہ رپورٹ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس بمبئی منعقدہ دسمبر ۱۹۰۳ء میں پیش کی تھی اور وہ مولانا ابوالکلام کے اخبار لسان الصدق مورخہ فروری ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی تھی، اس رپورٹ کا ذکر حیات شبلی میں ان الفاظ میں ہے کہ "دسمبر ۱۹۰۳ء میں جب محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس بمبئی میں ہوا تو اس شعبہ (اس وقت تک انجمن ترقی اردو کی حیثیت مستقل نہیں تھی بلکہ وہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی ایک شاخ تھی) کی رپورٹ علحدہ چھاپی اور شائع کی گئی، مولانا کی یہ رپورٹ بڑی دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہے"۔ اب یہ دلچسپ رپورٹ محمد اقبال صاحب لاہور نے لسان الصدق سے نقل کرکے بھیجی ہے۔ اس کو ناظرین معارف کی دلچسپی کے لیے شائع کیا جاتا ہے۔

'م'

جناب صدر انجمن!

میں انجمن اردو کی سالانہ رپورٹ جناب والا کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جس سے ظاہر ہوگا کہ انجمن نے اس مدت میں کہاں تک کامیابی حاصل کی،

لیکن چونکہ انجمن کی کارروائی کے سلسلے میں ملک کے اکثر اہل الرائے کے خیالات معلوم

چکے ہیں، اور اس مدت تک ملک کے تمام اہل قلم سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا، تو
سب معلوم ہوتا ہے کہ میں رپورٹ پیش کرنے سے پہلے یہ ظاہر کروں کہ انجمن اردو کی کیوں ضرورت
ہے؟ اور اس میں کامیابی کی امید ہوسکتی ہے یا نہیں اور ہوسکتی ہے تو کن وسائل اور اسباب سے،
ل وہاں آپ کو خیال ہوگا کہ انجمن اردو کی ضرورت ایک مسئلۂ مسلمہ ہے اور کم از کم
پر اگر گفتگو کی ضرورت تھی تو سال بھر پہلے تھی نہ اب، جب کہ تمام ملک میں انجمن کی
کارروائی کا سلسلہ پھیل گیا ہے، لیکن مجھے انجمن کی ضرورت کے متعلق عام خیال سے کچھ الگ
ہے، اس لیے آپ معاف فرمائیں اگر میں اس داستان کو ایک دفعہ آپ کے سامنے دہراؤں۔

میں اس پہلو پر بحث نہیں کرتا کہ چونکہ ہر قوم کی ترقی اس پر موقوف ہے کہ علوم وفنون اس کی
میں آجائیں، اس لیے اردو میں علوم وفنونِ جدیدہ کے ترجمہ کی ضرورت ہے بلکہ میں ایک
رے پہلو سے انجمن کی ضرورت پر بحث کرتا ہوں، یہ بات علانیہ نظر آتی ہے، قوم کا ممتاز
جدید تعلیم میں مصروف ہے، اور ہوتا جاتا ہے، یہ بدیہی ہے کہ جدید تعلیم خود اس قدر مشکل
ب اور طویل الذیل ہے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری تعلیم جمع نہیں ہوسکتی، اس صورت
ہماری قومی، مذہبی اور تاریخی معلومات کے بقا کا کیا ذریعہ ہے؟ کیا یہ پسندیدہ ہے کہ
ت انگریزی تعلیم حاصل کریں اور اپنی قوم کی تعلیم سے، مذہب سے، علوم سے بالکل بے پروا
ہیں؟ اچھا پھر ان کے بقا کی کیا تدبیر ہے؟ صرف یہ کہ ان چیزوں کو ترجمہ کے ذریعہ سے
بان میں منتقل کیا جائے یا ان مضامین پر اردو میں مستقل تصنیفات لکھی جائیں۔

خوب یاد رکھنا چاہیے کہ جدید تعلیم یافتہ فرقہ کے لیے اپنے قومی علوم وفنون اور مذہب
ہونے کا صرف یہ طریقہ ہے کہ یہ علوم اصلی زبانوں سے ملکی زبان میں لائے جائیں، یہاں یہ سوال
تا ہے کہ یہ دونوں کام یعنی ایشیائی اور مغربی علوم وفنون کا ترجمہ اور تالیف خود ہو رہے ہیں،

اس کے لیے کسی انجمن کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں، عربی، سنسکرت اور فارسی کی سیکڑوں
کی میں ترجمہ ہوچکی ہیں اور ہوتی جاتی ہیں، انگریزی تصنیفات کا بھی ایک معتبر حصہ ملکی زبان
میں آگیا ہے اور آتا جاتا ہے، ملک میں سیکڑوں ہزاروں مترجم پیدا ہوگئے ہیں جن کا مشغلۂ زندگی یہی ہے،
سوال واقعی لحاظ کے قابل ہے اور اس سوال کا جواب دینا ایک بہت بڑے عقدہ کو حل کرنا ہے۔

بے شبہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بہت سی ایشیائی اور مغربی تصنیفات ملکی زبان میں منتقل
ہوگئی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کتابیں کس درجہ کی ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ملک میں اس مسئلہ کی طرف لوگوں کو علم نے نہیں، بلکہ
ضرورتِ معاش نے متوجہ کیا ہے، اس لیے کام کرنے والے اسی اصلی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہیں،
وہ یہ دیکھتے ہیں کہ کن چیزوں کے ترجمے یا کس قسم کی تصنیفات مذاق عام کے موافق ہیں اور
طلب زر کا ذریعہ بن سکتی ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس علمی پیداوار کا بڑا حصہ (جو کل کے قریب قریب ہے)
ناول، ادنیٰ درجہ کی تاریخیں اور سوانح عمریاں ہیں، کسی اشتہاری کتب فروش کی فہرست کو پڑھو
تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا کوئی آدمی سوانح عمری کے انعام سے محروم نہیں رہا، لیکن یہ سوانح عمریاں
کس درجہ کی ہیں؟ اس کا آپ خود فیصلہ کرسکتے ہیں، علوم وفنون کی بعض کتابیں ترجمہ ہوئی
ہیں، وہ کتابیں فی نفسہ اچھی بھی تھیں لیکن قابل لحاظ یہ ہے کہ ترجمہ کیسا ہوا؟ کیا مترجمین واقعی
ن استعداد رکھتے تھے؟ کیا ترجمہ کی دنیا میں ان لوگوں کی کچھ شہرت تھی؟ کیا ان ترجموں کو
شائع ہونے سے پہلے کسی مبصر جماعت نے تنقید کی نظر سے دیکھ لیا تھا؟ بے شبہ ان
ن ریزوں میں ایک آدھ جواہر بھی نکل آتے ہیں لیکن وہ کالعدم ہیں۔

ان حالات کو معلوم کرنے کے بعد کون اس سے انکار کرسکتا ہے کہ ایک ایسی مستقل انجمن کی
ضرورت ہے جس کو اس کی پروا نہ ہو کہ ملک کا اور عوام کا مذاق کیا ہے، بلکہ اس کا صرف مطمح نظر

ملک میں کس قسم کا مذاق پیدا کرنا چاہیے، اور ملک کی علمی زندگی کی ترقی کے لیے کس قسم کی تصنیف
تراجم کی ضرورت ہے، اس کے ساتھ یہ انجمن ایسے افراد سے مرکب ہو جو ایشیائی اور مغربی علوم
ماہر ہوں اور تصنیفات و تراجم پر ناقدانہ اور آزادانہ رائے دے سکتے ہوں۔

ملک کے اور حصوں میں اس قسم کی انجمنیں قائم ہوگئی ہیں، اور ان زبانوں سے علوم و فنون کا بڑا
زبان میں آگیا ہے، بنگالی زبان اب ایک کامل علمی زبان بن گئی ہے، جس میں ہر قسم کی علوم و فنون
کی کتابیں مہیا ہوگئی ہیں، ہندی زبان میں ابھی حال ہی میں سائنٹفک ڈکشنری سات جلد والی
تیار ہوئی ہے، جس کی تفصیلی کیفیت "پائنیر" میں شائع ہو چکی ہے، مرہٹی زبان کی ترقیاں
بیان نہیں، صرف ایک اردو زبان ہے جو باوجود عام زبان ہونے کے علمی تصنیفات
موضوعاً علوم و فنونِ جدیدہ سے بالکل محروم ہے۔

اکثر یہ شبہہ کیا جاتا ہے کہ علوم و فنون جدیدہ کی تصنیفات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا
قصد کرنا گویا آب دریا بہ گز پیمودن ہے لیکن یہ شبہہ ایک وہم باطل ہے، ہر فن میں گو بہت سی
ات ہوتی ہیں، لیکن امہات الکتب دو چار سے زیادہ نہیں ہوتیں، اس لیے ان کتابوں کا
نا کافی ہو سکتا ہے۔

اس موقع پر اس امر کا اظہار بھی ضرور ہے کہ گو ملک میں علوم و فنون کے مترجم یا مصنف
نظر آتے ہیں، اور اس سے یہ بددلی پیدا ہوتی ہے کہ انجمن اگر قائم بھی ہوئی تو قابل مصنف
کہاں سے ہاتھ آئیں گے؟ لیکن اس مدت کے تجربے نے یہ ثابت کر دیا کہ ملک ایسے قابل اشخاص
نہیں، لیکن چونکہ ملک کا عام مذاق ان کی قابلیت کی قیمت نہیں ادا کر سکتا، اس لیے
گمنامی میں پڑے ہیں، ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کے پاس تصنیف تالیف کا سرمایہ
بعض ایسے ہیں جو سرمایہ رکھتے ہیں لیکن ملک کے مذاق کے لحاظ سے ان کو یہ توقع نہیں کہ ان کی

تصنیف یا تالیف رواج حاصل کر سکے گی،
انجمن کا بڑا کام ان ہی قابل جوہروں کا پتہ لگانا اور ان کی قابلیت سے کام لینا ہے۔
اس تمہید کے بعد اب میں انجمن کی رپورٹ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں،
یہ انجمن ۴ جنوری ۱۹۰۳ء کو بمقام دہلی ایجوکیشنل کانفرنس کے غیر معمولی اجلاس میں قائم ہوئی
اور بزرگانِ ذیل اس کے عہدہ دار اور کارکن قرار پائے:۔

صدر انجمن: ٹی. ڈبلیو آرنلڈ اسکویر پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور۔
نائب صدر:۔ شمس العلماء ڈاکٹر مولوی نذیر احمد خان صاحب، ایل. ایل. ڈی
مولانا الطاف حسین صاحب حالی
شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب
سکریٹری:۔ (شمس العلماء مولانا) شبلی نعمانی
اسسٹنٹ سکریٹری:۔ مولوی حامد علی صاحب صدیقی سہارنپوری

۵ جنوری ۱۹۰۳ء کو کانفرنس ہی کے ایک پرائیویٹ اجلاس میں انجمن کے لیے ایک مختصر دستور العمل کا مسودہ تیار کیا گیا لیکن چونکہ یہ مسودہ محض سرسری طور پر تیار ہوا تھا، اور اجلاس کانفرنس کے ختم ہونے کے ساتھ تمام ارکان دور دراز مقامات پر چلے گئے تھے مسودہ کی درستی اور اصلاح میں خط کتابت کے ذریعہ سے ایک مدت صرف ہوگئی، یہاں تک کہ ۸ اپریل ۱۹۰۳ء کو دستور العمل مذکور چھپ کر شائع ہوا، اور دراصل انجمن کے قیام کی تاریخ اسی دن سے شمار کرنی چاہیے، اس لحاظ سے یہ رپورٹ سالانہ نہیں بلکہ ہشت ماہہ رپورٹ ہے۔

(۱) انجمن کا سب سے پہلا کام ملک کو اپنے مقاصد کی طرف متوجہ کرنا اور یہ دریافت

مقاصد انجمن کو پیش نظر ہیں۔ ملک اس کے لیے تیار ہے یا نہیں۔ چنانچہ نہایت کثرت
سے چھپوا کر شائع کیے گئے، اخبارات وغیرہ سے مدد لی گئی، ممتاز بزرگوں کی خدمت
ح پر تحریک کی گئی، یہ خوشی کی بات ہے کہ ہر طرف سے لبیک کی صدائیں آئیں
رقہ نے بلا تخصیص مقاصد انجمن کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی، ابتدا میں ہندو صاحبوں
غلط خیال پیدا ہوا کہ ان کو انجمن کی شرکت سے علیحدہ رکھا گیا ہے، چنانچہ
بار نے اس کا اظہار بھی کیا، لیکن جب اس کے جواب میں سکرٹری کی ایک
رمیں شائع ہوئی تو ہندو صاحبوں کے دل سے یہ شبہہ جاتا رہا اور سب سے پہلے
رائے نہال چند صاحب رئیس مظفر نگر نے انجمن کی ممبری قبول کرنے
ی۔

س قدر ممتاز اور نام آور بزرگ ہیں مثلاً آنریبل نواب عماد الملک مولوی
ب بلگرامی، نواب محسن الملک، بدرالدین طیب جی صاحب جج ہائی کورٹ بمبئی،
ید محمد حسین صاحب، سید کرامت حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا، خان بہادر
حب جج عدالت خفیفہ، خان بہادر مولوی عبدالغفور صاحب، وزیر ریاست
م بزرگوں نے خوشی کے ساتھ ممبری قبول کی، انگلش جنٹلمینوں نے بھی انجمن
ر کی، چنانچہ ڈبلیو بل صاحب ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم پنجاب نے انجمن کا
نا منظور کیا۔

(شمس العلماء) "شبلی نعمانی"

ادبیات

"ظہور قدسی"

از جناب اثیم صاحب خیرآبادی

کائناتوں کے پردۂ نوری میں پنہاں کون تھا؟ — خود ہوئی صبحِ ازل جس سے نمایاں کون تھا
کُنتُ کَنزاً مَخفِیاً کی موجِ اول، سرِ ذات — جلوۂ بے پردۂ و معنیٔ عریاں کون تھا
نور الانوارِ جمال، آئینہ دارِ ذوالجلال — منظرِ صبحِ قدم کا نجمِ رخشاں کون تھا
مظہرِ ذات و صفات و مصدرِ جملہ جہات — وہ ظہورِ نور یعنی عین الاعیاں کون تھا
نور سے کس کے ہوئی تخلیق جملہ ما و من — معنیٔ کُن زبدۂ مقصود امکاں کون تھا
یہ زمانہ، یہ مکاں کس کیلیے سرگشتہ ہے؟ — کون ہے وہ مرکزِ ادوارِ دوراں کون تھا
کس کی بیعت لی گئی تھی عالمِ ارواح میں — عاشقوں کا سب سے پہلا عہد و پیماں کون تھا
کس کے پرتو سے تجلی زار تھی بزمِ الست — مطلعِ جانانہ، شمعِ بزمِ جاناں کون تھا
کس کے پروانہ، ہمہ کروبیان و عرشیاں — قدسیوں کی بزم تھی جس سے فروزاں کون تھا
سب سے اول نور لیکن سب سے آخر میں ظہور — کون ہے سب کا تتمہ، سب کا عنواں کون تھا
سجدۂ آدم سے چلئے، اس سے پہلے دیکھیے — "مرکزِ دیں" کون ہے "بنیادِ ایماں" کون تھا
اہل عالم میں موقر بھی ہوئے کتنے وجود — نظمِ عالم کی مگر تکمیل و بنیاں کون تھا
ہر نبی لاریب ہے شمعِ ہدایت، نورِ حق — جس سے عالم ہو گیا بزمِ چراغاں کون تھا
انبیا، کو جس کی پرتو سے ملی راہِ نجات — شمعِ دیں، نورِ مبیں، مفہومِ عرفاں کون تھا
کون تھا نیرنگیوں کے رنگ میں شانِ ظہور — وہ نظامِ دہر کا امید و ارماں کون تھا

کی گئیں جس کی دعائیں، دی گئی جس کی نوید
اہتمامِ خاص سے جس کا ہوا آخر ظہور
انبیاؑ و مرسلیں پر وحی بھی نازل ہوئی
کون ہے؟ جس کو ہوا ہو قربِ اوادنیٰ نصیب
رحمۃ للعالمیں، مطلوبِ جملہ آں و ایں
خاتمُ المرسلیں، محبوبِ ربّ العالمیں
منحصر یہ ہے، محمد مصطفیٰؐ کے ماسوا
آپؐ کا دنیا میں آنا اب ضروری تھا اثیم

پاک سینوں میں جبینوں میں نمایاں کون تھا؟
کچھ عجب انداز سے پیدا و پنہاں کون تھا؟
شان میں نازل ہوا ہو جسکی قرآں کون تھا؟
حضرتِ حق کا شبِ اسریٰ میں مہماں کون تھا؟
جانِ عالم، جانِ جاں و جانِ جاناں کون تھا؟
سب سے اعلیٰ، سب سے افضل، بعد یزداں کون تھا؟
کون ہو سکتا ہے؟ یا معراجِ انساں کون تھا؟
یاد ہو جس کو ازل کا عہد و پیماں کون تھا؟

غزل

جناب فنا الرحمٰن خانصاحب نشاؔ ناگپوری

...ند رہمت سبھی کو جینے کا کوئی ڈھنگ اور فن ملا ہے — کسی کو عقل و خرد ملی ہے کسی کو دیوانہ پن ملا ہے
...م محبت کو اپنے سینے سے کیوں نہ آخر لگائے رکھیں — ہم اہلِ دل کو یہی تو لے دے کے ایک انمول دھن ملا ہے
...نعمت کی ایک نعمت ہے یہ خلش سوزِ آرزو کی — یہ جس کو حاصل ہوئی اسی کو حیات کا بانکپن ملا ہے
...م سامانِ عیش و عشرت اے اہلِ ثروت تمھیں مبارک — ہمیں یہی ہے بہت کہ ہم کو نشاطِ رنج و محن ملا ہے
...ا تمھارے جمالِ زیبا کا ذکر ہی ہر کہیں نہیں ہے — ہمارے ذوقِ نظر کا چرچا بھی انجمن انجمن ملا ہے
...یب کیا نہیں کرشمہ یہ بات ہے ظرف و حوصلہ کی — تمھیں جفا کی ادا ملی ہے ہمیں وفا کا چلن ملا ہے
...نے کتنے مصائبِ دل شکن سہے گئے ہیں ہنستے ہنستے — جنوں سرشتوں کو تب کہیں جا کے شرفِ دار و رسن ملا ہے
...م زندہ دلی شعورِ حیات جس کو ہوا میسر — وہ مبتلائے غم و الم ہو کے بھی سدا خندہ زن ملا ہے
...ہی یہ جگہ ہے نشاؔ کہ عزم کے ساتھی رہے ہیں — وگرنہ ماحول درحقیقت بہت ہی ہمت شکن ملا ہے

بابُ التقریظ والانتقاد

ابو عبیدؒ کی غریب الحدیث

از

جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی

اگست ۱۹۶۷ء کے معارف میں ابو عبید قاسم بن سلام پر مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی کا ایک مضمون نکلا ہے، مضمون پُر معلومات ہے، اور محنت سے لکھا گیا ہے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ ابو عبید کی غریب الحدیث کا مطبوعہ نسخہ ابھی دار المصنفین میں نہیں پہنچا ہے، اس لیے اصلاحی صاحب نے اس کے صرف ایک قلمی نسخہ کی نشاندہی کی ہے، اور لکھا ہے کہ کتاب الاموال کے علاوہ ابو عبید کی تمام کتابیں غیر مطبوعہ ہیں، مگر بات یوں نہیں ہے، الاموال کے علاوہ غریب الحدیث بھی چھپ گئی ہے یا چھپ رہی ہے،[1] اور بہت خوشی کی بات ہے کہ اس کے چھاپنے کا فخر و شرف ہندوستان کو حاصل ہوا ہے، دائرۃ المعارف العثمانیہ (حیدر آباد) کے علم دوست منتظمین تمام اہل علم کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کو شائع کر کے اسلامی مطبوعات میں ایک گرانقدر اضافہ فرمایا ہے، ان کی توجہ سے اہل علم کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی اور اس نادر و نایاب کتاب سے ان کو استفادہ کا موقع ملا۔

اس کتاب کی تین جلدیں ہمارے پاس آ چکی ہیں، چوتھی جلد بھی امید ہے طبع ہو چکی ہوگی۔ کتاب پڑھنے سے پہلے ہی نظر میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں تک مرفوع احادیث کے مشکلہ الفاظ

---

[1] اسکے علاوہ ابو عبید کی کتاب الاجناس، کتاب الامثال اور فضائل القرآن کے بعض اجزاء بھی چھپ چکے ہیں۔ "ض"

تعلق ہے، مصنف نے ان کو ذکر کرنے میں کسی خاص ترتیب کا لحاظ نہیں کیا ہے حتیٰ کہ مسانید کی بھی
ت کی ترتیب نہیں ہے، چنانچہ پہلا لفظ سنادی، دوسرا تترع، تیسرا ھیع، چوتھا شعف ہے، اور
ر سنادی ابو قلابہ کے مرسل یا ثوبان کے مسند میں، تترع ابوہریرہ اور سہل بن سعد اور جل
ی الانصاری کی مرفوع حدیثوں میں، ھیع اور شعف ابوہریرہؓ کی حدیث میں وارد ہوا ہے،
ے پانچواں، چھٹا اور ساتواں لفظ بعض تابعین کے مراسیل میں اور آٹھواں ابو منصور انصاری
حدیث مرفوع کا ہے،

ہر حال غریب الحدیث میں مشکل الفاظ کا ذکر نہ حروف تہجی کی ترتیب پر ہے نہ مسانید صحابہ
رتیب پر ــ ہاں احادیث مرفوعہ کے بعد جب آثار صحابہ کا نمبر آیا ہے تو وہاں مصنف نے التزام کیا ہے
یک صحابی کے آثار کے الفاظ ایک سلسلہ میں ذکر کیے جائیں، چنانچہ پہلے انھوں نے حضرت صدیق اکبر
ثار، اس کے بعد حضرت عمرؓ کے آثار میں وارد ہونے والے مشکل الفاظ کی شرح کی ہے،

غریب الحدیث کے چھپ جانے کی اس مسرت انگیز اطلاع اور منتظمین دائرہ کی خدمت میں
شکر پیش کرنے کے ساتھ ساتھ مجھے کچھ اور بھی گذارش کرنا ہے،

علمائے دائرہ نے اس کتاب کو چار مخطوطوں کی مدد سے ایڈٹ کیا ہے، ایک مخطوط
ہ محمدیہ مدراس کا ہے جس کو اصل قرار دیا گیا ہے، دوسرا رضا لائبریری رامپور کا ہے،
الیڈن اور چوتھا مکتبہ ازہریہ مصر کا ہے، موخر الذکر تینوں مخطوطے باسند ہیں، یعنی کتاب
جن احادیث و آثار کے ٹکڑے نقل ہوئے ہیں، ساتھ ساتھ ان کی سند بھی مذکور ہے
ت مخطوطہ مدراس کے کہ اس میں تمام سندیں حذف کردی گئی ہیں، اس کے علاوہ
بگہ عبارتوں میں اختصار اور الفاظ کا تغیر و تبدل بھی پایا جاتا ہے جس سے یہ نتیجہ
ہے کہ مدراسی نسخہ جس کو اصل قرار دیا گیا ہے، وہ بعینہ غریب الحدیث نہیں ہے بلکہ اس کی

تجرید و اختصار ہے ــ اس صورت حال کا تقاضا تھا کہ مدراسی نسخہ کے بجائے رامپور
یا مصر یا لیڈن کے مخطوطہ کو اصل قرار دیا جاتا، اس لیے کہ فی الحقیقۃ غریب الحدیث لابی عبید
کے نسخے یہی ہیں، اور اگر کوئی مجبوری حائل تھی تو ظاہر کر دیا جاتا کہ ہم غریب الحدیث کی تجرید کو
خاص اسباب کی بنا پر اصل قرار دے رہے ہیں، لیکن ہم التزام کریں گے کہ تجرید و اختصار
کرنے والے نے جتنی سندیں اور الفاظ کم کر دیے ہیں ان کو تعلیقات میں درج کر دیں گے۔

اگرچہ علمائے دائرہ نے عملاً ایسا ہی کیا ہے کہ چھوٹی ہوئی چیزیں تعلیقات میں لے لی ہیں
مگر (۱) اصل کی نسبت یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ تجرید ہے، (۲) اور تعلیقات میں جو استدراکات
لیے ہیں ان کو رامپور یا مصری نسخہ کی زیادات سے تعبیر کیا ہے، حالانکہ وہ زیادات نہیں ہیں،
بلکہ اصل کتاب کے اجزاء ہیں،

مصر اور لیڈن کے نسخے تو میں نے دیکھے نہیں، رامپور کا مخطوطہ دیکھا ہے، اس کے سوا
اس کتاب کے دو نسخے مدینہ منورہ میں میری نظر سے گذرے ہیں، ایک کتب خانہ محمودیہ میں،
دوسرا کتب خانہ شیخ الاسلام میں، محمودیہ کا نسخہ ۱۱۰۶ھ کا لکھا ہوا ہے، اور کتب خانہ
شیخ الاسلام والے مخطوطہ کا سن کتابت ۴۷۶ھ ہے، اس نسخہ کے چند اوراق کی نقل میرے
پاس موجود ہے، میں یہاں ایک کالم میں اس کی بعض عبارتیں اور دوسرے کالم میں مطبوعہ
غریب الحدیث کا وہی مقام بالمقابل نقل کرتا ہوں، تاکہ اہل علم کو تجرید و اختصار کی
نوعیت کا صحیح علم ہو جائے۔

غریب الحدیث مخطوطہ کتبخانہ شیخ الاسلام	غریب الحدیث مطبوعہ حیدر آباد
فی حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم:	فی حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم:
زویت لی الارض فاریت	زویت لی الارض فاریت

مشارقها ومغاربها وسيبلغ
ملك أمتي ما زوى لي منها.
قال حدثنا ايوب عن اسماعيل
بن ابراهيم عن ابي قلابة ان
النبي صلى الله عليه وسلم قال ذلك
في حديث فيه طول. قال
ابوعبيد: سمعت اباعبيدة
معمر بن المثنى التيمي من تيم
قريش مولى لهم يقول زويت:
جمعت، ويقال انزوى القوم
بعضهم الى بعض اذا تدانوا
وتضاموا وانزوت الجلدة
في النار اذا انقبضت واجتمعت
قال ابوعبيد ومنه الآخر ان
المسجد لينزوي من النخامة
كما تنزوي الجلدة في النار،
قال ابوعبيد ولا يكاد
يكون الانزواء الا بانحراف
مع تقبض،

مشارقها ومغاربها، وسيبلغ
ملك أمتي ما زوى لي منها،
قال ابوعبيد: سمعت اباعبيدة
معمر بن المثنى التيمي من تيم قريش
مولى لهم. يقول: زويت جمعت
ويقال انزوى القوم بعضهم
الى بعض اذا تدانوا وتضاموا
وانزوت الجلدة من النار
اذا انقبضت واجتمعت قال
ابوعبيد ومنه الحديث
الآخر: ان المسجد لينزوي
من النخامة كما تنزوي الجلدة
من النار اذا انقبضت واجتمعت
قال ابوعبيد: ولا يكاد يكون
الانزواء الا بانحراف
مع تقبض،

(۲) قال ابوعبيد في حديث
النبي صلى الله عليه وسلم ان منبري
هذا على ترعة من ترع الجنة،
قال حدثني اسماعيل جعفر
المدني عن محمد بن عمرو بن
علقمة عن ابي سلمة بن عبدالرحمن
عن النبي صلى الله عليه وسلم
انه قال ذلك، قال ابوعبيد
سمعت اباعبيدة يقول:
الترعة، الروضة،

(۳) قال ابوعبيد في حديث
النبي صلى الله عليه وسلم] انه
سأل رجلا أراد الجهاد
معه فقال هل في اهلك من
كاهل — ويقال مَن كاهَل
— فقال ما هم الا صبية
صغار، فقال ففيهم فجاهد
قال: نعم،
قال حدثنا اسماعيل بن ابراهيم

وقال [ابوعبيد] في حديث
النبي عليه السلام ان منبري
هذا على ترعة من ترع الجنة
قال ابوعبيدة الترعة الروضة
(ص ۲۰۲)

قال [ابوعبيد] في حديثه
عليه السلام انه سأل رجلا
أراد الجهاد معه [فقال له]
هل في أهلك من كاهل؟ ويقال
من كاهل، فقال نعم،
قال ابوعبيدة: هو ماخوذ الخ
(ص ۱۲)

عن خالد الحذاء عن ابی قلابۃ
عن مسلم بن یسار عن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم قال ابو عبید:
ھو ماخوذ الخ

اس مقام پر محقق نے رامپوری نسخہ اور اصل کے حواشی نیز فائق کی مدد سے کمی پوری کرنے کی کوشش کی ہے، پھر بھی حدیث کی پوری سند ذکر نہیں کر سکے، نیز آخری سطر میں ابو عبید کے بجائے ابو عبیدہ درج کیا گیا،

(مدینہ)	(حیدر آباد)
ویقال فی مثل دعری لاصفی یقول ادغروا علیھم ولاتصافوھم ویروی دَغراً لاصفاً مثل عقری حلقی وعقراً وحلقاً	ویقال فی مثل دَغری لاصفی، ودغرا لاصفا یقال ادغروا علیھم ولاتصافوھم وھذا ایضاً مثل قولھم عقری حلقی وعقراً حلقاً (۲۹، ۳۰)
(۴) وقال غیر حماد مفرج بالحاء، وقال حدثنا حجاج عن ابن جریج ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم] قال وعلی المسلمین ان لا یترکوا مفدحاً فی فداء وعقل وفی حدیث غیرہ مفرحا	ویروی ایضاً مفرح بالحاء و یروی ایضاً مفرج بالجاء وروی ایضاً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلی المسلمین ان لا یترکوا مفدوحاً فی فداء او عقل (ص ۳۰)

مفدوحا غلط ہے، مفدحا چاہیے۔

ان چند مثالوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ

(۱) مدراسی نسخہ میں حدیثوں کی سندیں تمام کی تمام حذف کر دی گئی ہیں۔

(۲) اور اس کے نتیجہ میں جگہ جگہ تعبیر بھی بدلنا پڑی ہے۔ مثلاً وقال غیر حماد مفرج کے بجائے ویروی ایضاً مفرج لکھنا پڑا ہے۔ مزید مقابلہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ

(۱) بعض حدیثوں کا صرف ایک مختصر ٹکڑا لے لیا ہے اور سند کے ساتھ جو پوری حدیث مذکور ہے اس کو بالکل چھوڑ دیا ہے، جیسے ضیف کے مادہ میں سند کے ساتھ پوری حدیث مدنی نسخہ میں مذکور ہے، مگر مدراسی نسخہ میں سند کے ساتھ ساتھ پوری حدیث بھی حذف کر دی گئی ہے، جس کو تعلیق میں زادنی ر کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) مدراسی نسخہ میں کہیں کہیں عبارتوں میں اضافہ بھی کیا گیا ہے، جیسا کہ ص ۲۳ پر فی المعنی مثلہ واحسبہ کی نسبت تعلیق میں لکھنا پڑا ہے کہ لیس فی ر- اور یہ بات ر (رامپوری نسخہ) کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، مدنی نسخہ میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں ــــ اسی طرح ص ۲۴ سطر ۱ میں واشباہ ذلک. ص ۲۵ سطر ۱ میں بن زید الاسدی، ص ۲۸ سطر ۹ میں عمر ابن مرۃ یا فرزدق کینہا، ص ۳۳ سطر ۸ میں قولہ لاتستنجی وغیرہ مدراسی نسخہ کے اضافے ہیں، جو رامپوری میں نہیں ہیں، اسی طرح مدنی نسخہ میں بھی نہیں ہیں، چنانچہ خود محقق نے بھی اس کو تعلیقات میں ظاہر کر دیا ہے، مگر کسی کسی جگہ یہ تنبیہ سقطت من ر کے عنوان سے کی گئی ہے، جس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اصل کتاب میں یہ موجود ہے، اور یہ خود ابو عبید کے الفاظ ہیں، مگر رامپوری نسخہ سے ساقط ہو گئے ہیں ــــ حالانکہ واقعہ اس کے برخلاف ہے، یہ الفاظ ابو عبید کے نہیں ہیں، بلکہ مدراسی نسخہ میں اضافہ کیے گئے ہیں، اور اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ یہ الفاظ رامپوری کے علاوہ مدنی نسخہ میں بھی نہیں ہیں۔

مثال کے طور پر ص ۵۳ سطر ۴ کے الفاظ والرشوۃ منھا کو لے لیجیے، ان کی نسبت
یہ میں سقطت من ر لکھا ہے، مگر ر ہی کی خصوصیت نہیں، یہ الفاظ مدنی نسخہ میں
نہیں ہیں، لہٰذا ان کی نسبت یہ کہنا کہ رامپوری سے ساقط ہوگئے ہیں، صحیح نہیں ہے،
یہ ہے کہ یہ الفاظ مدراسی نسخہ میں بڑھائے گئے ہیں ـــ اسی طرح ص ۵۴ سطر ۴ کے الفاظ
ال الاٰلوۃ خفیف، اور ص ۴۱ سطر ۶، ۷، و ۸ کی عبارت بھی، جن کو سقطت من ر
یا ہے، حالانکہ وہ جس طرح رامپوری نسخہ میں نہیں ہیں، مدنی میں بھی نہیں ہیں، لہٰذا
ر ساقط کہنا محلِ کلام ہے، دوسرے نسخوں کی مراجعت کرلینی چاہیے، میرا خیال ہے کہ
مدراسی نسخوں کے اضافات ہیں۔

اور اکثر جگہ یہ تنبیہ لیس من ر کے عنوان سے کی گئی ہے، جو مناسب ہے، مگر کسی کسی
جگہ بے معنی سی ہے، مثلاً ص ۵۲ پر ایک مصرع مدراسی نسخہ سے یوں نقل کیا گیا ہے
فی حلوت الشعر حین مدحتہ، اس کے بعد ص ۵۳ پر ہے ویرِدی ع
حلوت الشعر یوم مدحتہ، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے پہلے حین کا لفظ لکھا ہے
روایت میں حین کے بجائے یوم کا لفظ آیا ہے، محقق نے یہاں حاشیہ دیا ہے کہ لیس
فی یہ بات کہ ایک روایت میں یوم آیا ہے، رامپوری نسخہ میں نہیں ہے، ـــ یہاں پر
بے معنی ہے، اس لیے کہ محقق صاحب ص ۵۲ پر ایک تعلیق میں تصریح کر چکے ہیں کہ
نسخہ میں حین کے بجائے یوم ہے، پس جب رامپوری نسخہ اس مصرع کو یوم
کے ساتھ نقل کر رہا ہے تو آگے وہ کس طرح یہ کہہ سکتا ہے کہ ایک روایت میں یوم بھی
اس کا موقع تو جب تھا کہ پہلے وہ حین کے ساتھ نقل کرتا، ـــ اس لیے لیس فی ر
یہ لکھنا مناسب تھا کہ یہ مدراسی نسخہ کا اضافہ ہے، اس لیے کہ اس سے پہلے اس لے

لفظ حین کے ساتھ مصرع کو نقل کیا ہے۔

اسی طرح ص ۴۳ سطر ا کی عبارت ویرِدی: یحس منہ ماغم کی نسبت یہ بتانا
کہ یہ رامپوری میں نہیں ہے، بے موقع بات ہے، اس لیے کہ اس میں تو حسب تصریح مصحح
ان ہی الفاظ کے ساتھ مصرع نقل ہی کیا گیا ہے، ہاں مدراسی میں چونکہ ماغم کے بجائے دائق
نقل کیا گیا ہے، اس لیے یہ اضافہ برمحل ہے کہ ویرِدی: یحس منہ ماغم

بہرحال ہمارے نزدیک ذمہ داری اور احتیاط کا تقاضا یہ تھا کہ جب سرورق پر
غریب الحدیث لابی عبید لکھا گیا ہے تو اس کی تجرید یا اختصار کے بجائے حوض میں
اصل غریب الحدیث کا متن رکھا جاتا، اور اختلافات الفاظ و تعبیرات، یا اضافات یا اختصارات
کی نشاندہی حواشی میں کرنا مناسب تھا۔

کتاب کی تصحیح میں کچھ شبہہ نہیں کہ بڑی محنت کی گئی ہے، پھر بھی بعض مقامات میں بڑی
بڑی غلطیاں رہ گئی ہیں، یا ہو گئی ہیں، مثلاً

(۱) ص ۳۹ سطر ۱ میں أذنك على ان ترفع الحجاب چھپا ہے، حالانکہ
إذنك علىّ صحیح ہے، اس کے علاوہ اس مقام پر یہ بھی محسوس ہوتی ہے کہ اس کی
نشاندہی نہیں کی گئی، حالانکہ جس طرح دوسری اکثر حدیثوں کی نسبت بتا دیا گیا ہے کہ
وہ کس کتاب میں کہاں پر ہیں، اسی طرح اس کی نسبت یہ بھی لکھنا چاہیے تھا کہ یہ حدیث ابن ماجہ
باب مناقب ابن مسعودؓ میں ہے۔

(۲) ص ۴۲ سطر ۱۱ میں عَرِمَضَ الحولِ چھپا ہے، جو کسی طرح صحیح نہیں ہے،
بظاہر الحول کو مرفوع ہونا چاہیے۔

(۳) ص ۴۵ سطر ۳ تقد متھم لیرتاد لھم میں تکلف معلوم ہوتا ہے، اس کے

…ے مدنی نسخہ میں تفقد مصمد لیرتاد بھمد ہے، اس میں بے تکلف لیرتادَ پڑھا جا سکتا
…) ص ۸۵ سطر ۴ میں یُجزَأ کے بجائے یَجزأ (بصیغۂ معروف) صحیح ہے،

(۵) ص ۵۹ سطر ۳ میں او تختفوا بھا کے بجائے او تحتفئوا بھا ہونا چاہیے،
… لیے کہ جب تک ایسا نہ ہو تو قال الاصمعی لا اعرف تحتفئوا ولکنی اراھا تختفوا بھا
…ڑ معلوم ہوتا ہے ــــ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مجمع الزوائد میں یہ روایت
لفظ (او تحتفئوا) کے ساتھ نقل ہوئی ہے،

(۶) ص ۸، سطر ۵ میں الجِلّالۃ جیم کے زیر کے ساتھ صحیح نہیں، جیم پر زبر ہونا چاہیے،
(۷) ص ۸۴ سطر ۱۳ میں کان کذلک اَعسَرَ یَسَرٌ کے بجائے اَعسَرَ یَسَراً ہونا چاہیے
(۸) ص ۳۶ تعلیق ۲ میں ہے فی ر عن الشرفی (ھو علی بن ابراھیم بن اسماعیل
…لسان المیزان ۴/ ۱۹۱) عن مجالد عن الشعبی ــــ اس میں مصحح صاحب کو غلطی
…ہی ہوئی ہے، انھوں نے شرقی (بالقاف) کو الشرفی (بالفاء) قرار دیا ہے،
…ہ قاف صحیح ہے، اور یہ راوی شرقی بن القطامی ہے، چنانچہ مدنی نسخہ میں بن القطامی
…صریح موجود ہے، ــ اور اگر یہ تصریح نہ ہوتی جب بھی لسان المیزان والے الشرفی
…و لینا کسی طرح ممکن نہیں تھا۔ اس لیے کہ اس الشرفی کی وفات ۴۵۸ھ میں ہوئی
…ور یہاں پر اس سے روایت کرنے والے یزید (بن ہارون) ہیں، جن کی وفات ۲۰۶ھ
…ئی ہے، یعنی یزید (شاگرد) الشرفی (استاذ) کی ولادت سے کچھ بھی نہیں تو دو سو سال
…نتقال کر چکے ہیں،
…نیز الشرفی نے مجالد سے روایت کی ہے، جن کا سال وفات ۱۴۴ھ ہے، اس صورت
…ر الشرفی کی مدت حیات کم سے کم ۳۲۵ سال مانی جائے تو کسی طرح ان کا سماع مجالد

…ے ممکن ہوگا۔
شرقی بن قطامی کا ترجمہ بھی لسان المیزان میں مذکور ہے، اس کے علاوہ تاریخ بخاری
…میں بھی اس کا ذکر ہے۔
(۹) ص ۳۲ تعلیق ۴ میں عن دفرۃ اور کما تکون غلط ہے، دقرۃ بکسر الدال
المہملہ وسکون القاف صحیح ہے، (دیکھو تہذیب التہذیب، اور الاکمال لابن ماکولا جلد سوم
ص ۳۲۸) اور کما تکون کے بجائے کنا نطوف صحیح ہے، جیسا کہ غریب الحدیث کے مدنی نسخہ
میں ہے، اور ایسا ہی الفائق للزمخشری میں بھی ہے، اور السنن الکبریٰ للنسائی میں بھی ایسا ہی ہے۔
ان دو غلطیوں کے علاوہ اس مقام پر خود مصنف یا سند کے کسی راوی کا ایک سہو
بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ دقرۃ کو ام عبد اللہ بن اذینہ کہا گیا ہے، درانحالیکہ صحیح
ام عبد الرحمن بن اذینہ ہے، جیسا کہ تہذیب التہذیب، اصابہ ص ۲۹۸ ج ۴ اور الکمال
ابن ماکولا میں ہے،
(۱۰) غریب الحدیث جلد ثانی ص ۳۲ تعلیق ۱ میں ایک حدیث یوں نقل ہوئی ہے
الاناءۃ من اللہ، الاناءۃ غلط ہے، الاَنَاَۃ (بحذف الہمزہ وبوزن نَوَاۃ)
صحیح ہے، (دیکھو ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ص ۱۴۸، ۱۴۹ ج ۳)
(۱۱) جلد ثانی صفحات ۱۱ س ۱۰، ۱۲ س ۱، ۲۸ س ۹، ۲۹ س ۷، اور س ۱۲ میں
بار بار فاہ درج کیا گیا ہے، یہ غلط ہے، اس کے بجائے ثَنَاہٗ نون کے ساتھ صحیح ہے، اور
بحد ثناہ کا مخفف ہے۔ مصحح نے خود ہی لکھا ہے کہ رامپوری نسخہ میں اس کی
بجائے حد ثناہ ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصل میں قثناہ (قاف اور نون کے ساتھ)
رہا ہو، اور کسی کاتب نے اس فاہ لکھ دیا ہو، اور اپنی طرف سے لفظ قال کا اضافہ بھی کر دیا ہو۔

صورت میں وہ قال حدثنا کا مخفف ہے،

(۱۲) تعلیقات میں حدیثوں کے جو حوالے دیے گئے ہیں وہ اگر اس خاص سند کو سامنے رکھکر دیے گئے
ابو عبید نے ذکر کیا ہے تو بہت سے حوالے صحیح ثابت نہ ہونگے، مثلاً صلہ پر حدیث فھذا اوان قطعت ابھری
لیے مسند احمد جلد ۲ ص ۱۸ کا حوالہ دیا گیا ہے، مگر مسند احمد میں سفیان بن عیینۃ عن العلاء
ی العباس عن ابن جعفر کے سلسلہ سے یہ حدیث مذکور نہیں ہے، بلکہ معمر عن الزہری عن عبد
بد اللہ بن کعب بن مالک عن امہ کے سلسلہ سے مذکور ہے،

اور اگر اس خاص لفظ کی بنیاد پر حوالہ دیا گیا ہے جسکی تفسیر کیلئے ابو عبید نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے تو
ال میں وہ لفظ تعادخ ہے اور تعادن کا لفظ مسند احمد (۲/۱۸) میں بالکل نہیں ہے، اس لحاظ سے بھی
صحیح نہیں،

ور اگر محض اس بنیاد پر حوالہ دیا گیا ہے کہ ابو عبید کی ذکر کردہ حدیث میں جس واقعہ کا ذکر ہے، وہ واقعہ
مذکور ہو خواہ جس سند یا لفظ کے ساتھ بھی ہو، تو پھر اس صورت میں مثال مذکور کیلئے مسند احمد کے بجائے
صحیح بخاری کا حوالہ دیا جاتا، اسلیے کہ اس میں یہ واقعہ مذکور ہے (دیکھیے مثلاً فتح الباری ج ۸ ص ۲)

(۱۳) حدیثوں کی نشاندہی میں اس بات کا بھی بہت خاص طور پر لحاظ کرنا چاہیے کہ اگر کوئی حدیث صحیح
میں موجود ہے تو پہلے اس کا حوالہ دینا چاہیے اس لیے کہ حدیث کی کتابوں میں یہی زیادہ متداول ہیں
انہی کو سب سے زیادہ تلقی بالقبول حاصل ہے،

ہمارے محترم مصححین نے اس کا بھی اہتمام نہیں فرمایا ہے، چنانچہ صلہ پر ضبائر صبائر کے لیے دارمی
احمد کا حوالہ دیا گیا ہے، درانحالیکہ جس حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں وہ مسلم (۱/۱۰۴) میں موجود ہے
وقت میں گنجائش نہیں ہے اسلیے ان ہی چند باتوں پر اکتفا کرتا ہوں، آخر میں پھر صدق دل سے
کرتا ہوں کہ اس کتاب کی اشاعت دائرۃ المعارف کا بڑا اہم کارنامہ ہے اور ان فروگذاشتوں کے باوجود
اس قدر علمی خدمت ہے جس کے لیے ارکان دائرہ ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

مطبوعات جدیدہ

انوار اقبال - مرتبہ جناب بشیر احمد صاحب ڈار، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۳۴۴ مجلد مع گرد پوش، قیمت عہ/۱۲ ناشر اقبال اکاڈمی پاکستان، کراچی۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم کے خطوط، متفرق مضامین اور کمیاب تحریروں کے متعدد مجموعے چھپ چکے ہیں، لیکن ان کی بہت سی تحریریں ان میں نہیں ہیں، اس لیے اقبال اکاڈمی کے ڈائرکٹر جناب بشیر احمد صاحب ڈار نے ان مکاتیب، مضامین، تقاریظ، تبصروں اور اشعار وغیرہ کو جو ابتک شائع نہیں ہوئے تھے، یا شائع شدہ تھے لیکن کسی باقاعدہ مجموعہ میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے کمیاب تھے، تلاش کرکے اس مجموعہ میں جمع کر دیا ہے، یہ کئی حصوں میں منقسم ہے، شروع میں درسی کتابوں کے دیباچے، مختلف تصنیفات نظم و نثر پر ڈاکٹر صاحب کے آراء و تبصرے اور آخر میں ابتدائی دور کا غیر مطبوعہ کلام ہے، ۲۸ء و ۲۹ء میں ڈاکٹر صاحب نے مدراس، میسور کا سفر کیا تھا، اس کی دلچسپ روداد، دو بصیرت افروز مضامین "حکمائے اسلام کے عمیق تر مطالعہ کی دعوت" اور "علم ظاہر و باطن" اور کئی اہم خطوط، بیانات اور تقریریں بھی شامل ہیں جن سے ڈاکٹر صاحب کی زندگی اور افکار کے متعلق بعض مفید معلومات حاصل ہوتے ہیں، چند نادر دستاویزات کے عکس بھی اس میں دیے گئے ہیں، گو یہ مجموعہ بھی ڈاکٹر صاحب کی تمام غیر مطبوعہ اور کمیاب تحریروں کا جامع نہیں ہے، پھر بھی مرتب کو تلاش و جستجو سے جسقدر مل سکیں ان کو جمع کر دیا ہے، اس کتاب کی اشاعت سے اقبالیات میں ایک مفید اضافہ ہوا۔

...لیخ خوبی ۔ از میر امن دہلوی، ترتیب ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، تقطیع کلاں، کاغذ کتابت
...باعت عمدہ، صفحات ۳۵۰ مجلد، قیمت ۱۵؍ پتہ: شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی، دہلی۔

...حسین واعظ کاشفی کی مشہور و متداول فارسی کتاب اخلاق محسنی کا میر امن دہلوی نے
...کے نام سے اردو ترجمہ کیا تھا، جو باغ و بہار کے بعد ان کی دوسری اہم کتاب سمجھی جاتی
...ب نایاب تھی، اس لیے دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے لائق صدر ڈاکٹر خواجہ احمد
...صاحب نے جو اردو کی کئی قدیم و نایاب کتابوں کو گوشۂ گمنامی سے باہر نکال چکے ہیں، اس
...یر امن ہی کے قلم کے ایک نسخہ کی مدد سے جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن میں تھا،
...ن پریس کلکتہ کے ۱۸۴۶ء کے مطبوعہ نسخہ سے مقابلہ کے بعد ایک مبسوط مقدمہ اور
...ں کے ساتھ شائع کیا ہے، مقدمہ میں فورٹ ولیم کالج کی تشکیل کا پس منظر، میر امن
...ے وابستگی، ان کے ادبی و تصنیفی کمالات، نثر کی خصوصیات، باغ و بہار کے مقابلہ میں
...ں عدم شہرت کے اسباب اور ترجمہ کی سلاست و شگفتگی کے علاوہ اس کے بعض استام
...ں کی زبان کی قدامت و غرابت وغیرہ کو مثالوں کے ذریعہ تفصیل سے دکھایا گیا ہے،
...میں مخطوطہ و مطبوعہ نسخوں کے فرق و اختلاف کا ذکر ہے، آخر میں مشکل الفاظ کی فرہنگ
...خواجہ صاحب نے یہ کتاب تہذیب و ترتیب کے جدید طریقوں کے مطابق بڑی
...خوش سلیقگی سے مرتب کی ہے، زبان و ادب کے طلبہ کے لیے اس کا مطالعہ ضروری
...ب مفید ہے۔

...وان عروہ بن ورد / اللامیتان مرتبہ الاستاذ عبدالمعین الملوحی، تقطیع متوسط، کاغذ کتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۱۵۵ و ۸۰، پتہ: مطابع وزارۃ ...افۃ والارشاد القومی دمشق۔

وزارت ثقافت وارشاد قومی دمشق نے عربی کی غیر مطبوعہ اور قدیم مطبوعہ کتابیں شائع کرنے
...ایک منصوبہ بنایا ہے، مذکورہ بالا دونوں کتابیں اسی سلسلہ کی مطبوعات ہیں، پہلی کتاب
...ور جاہلی کے مشہور اور باکمال شاعر عروہ بن ورد کا دیوان ہے، عروہ کا دیوان یورپ اور عرب
...الک میں پہلے بھی شائع ہو چکا ہے اور اس کی شرحیں بھی لکھی گئی ہیں، ان میں مشہور لغوی و نحوی
...بن السکیت کی شرح زیادہ مشہور ہے، اس مجموعہ کو تین مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ و تصحیح کے بعد شائع
...یا گیا ہے، حاشیے میں ابن السکیت کی شرح اور اس کے علاوہ مرتب کے بعض اضافے بھی ہیں، دوسری
...کتاب میں جاہلی شاعر ثابت بن اوس ازدی شنفری اور حسین بن علی طغرائی متوفی ۵۱۵ھ کے
...قصائد لامیہ عرب و لامیہ عجم ہیں، شروع میں صرف قصائد کا متن اور آخر میں حل کے ساتھ زمخشری
...اور عکبری کی شرحیں بھی نقل کی گئی ہیں، دونوں کتابوں میں عروہ، شنفری اور طغرائی کے
...وفات و حالات بھی تحریر کیے گئے ہیں، پہلی کتاب کے مقدمہ میں عروہ کے اوصاف اور اس کی
...شاعری کی خصوصیات، اور دوسری میں دونوں قصائد کی خوبیاں دکھائی گئی ہیں، مرتب نے
...دونوں شاعروں کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی شاعری میں حریت و شجاعت اور ظلم و جبر کے
...خلاف بغاوت کی دعوت اور کمزور و مجبور لوگوں کے حقوق کے لیے آواز بلند کی گئی ہے، اس
...حیثیت سے انھوں نے ان کو اشتراکی قرار دینے کی کوشش کی ہے، اب اشتراکیت کا تصور
...اتنا بڑھ گیا ہے کہ اس کے پرستاروں کو ہر چیز میں اسی کا جلوہ نظر آتا ہے، ہندوستان کے ایک
...اشتراکی ادیب نے خواجہ حافظ کے کلام میں بھی اشتراکیت کا سراغ لگایا ہے۔

نوائے پہلوی ۔ از مولانا حمید الدین فراہی، تقطیع خورد، کاغذ بہتر، طباعت خوبصورت
...ٹائپ، صفحات ۱۳۰، قیمت للعہ پتہ: دائرۂ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڈھ،
ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہی کو فارسی زبان کا بھی اعلیٰ ذوق تھا، اس میں

داد سخن بھی دیتے تھے، امثالِ سلیمان کے منظوم ترجمہ خرد نامہ کے علاوہ مولانا کے چھوٹے بھائی
حاجی رشید الدین صاحب مرحوم نے ان کا فارسی دیوان بھی عرصہ ہوا حیدر آباد سے شائع کیا
تھا لیکن ان کی علمی و قرآنی تصنیفات کی طرح اس کا بھی بڑا حصہ ابھی غیر مطبوعہ تھا اور اس کی
اشاعت کا دین ان کے تلامذہ پر باقی تھا، مولانا بدر الدین صاحب اصلاحی نے جن کو گو مولانا سے
براہ راست استفادہ کا موقع نہیں ملا، مگر اب وہی ان کی علمی امانتوں کے امین ہیں، مولانا کے
مطبوعہ اور غیر مطبوعہ فارسی کلام کو اس میں جمع کر کے یہ فرض ادا کرنے کی کوشش کی ہے، مطبوعہ
دیوان کی بعض غزلیں اس میں حذف بھی کر دی گئی ہیں، یہ مجموعہ قصائد و غزلیات اور بعض
دیگر اصنافِ سخن پر مشتمل ہے، زبان اتنی شستہ و رفتہ ہے کہ اہل زبان کے کلام کا دھوکا
ہوتا ہے، مطبوعہ دیوان میں تاریخیں درج تھیں، ان کو معلوم نہیں کیوں نکال دیا گیا، اگر ان
مرتب توضیحی نوٹ اور حواشی اور مقدمہ میں مولانا کے مفصل حالات و سوانح اور خصوصیت
کلام بھی تحریر کر دیتے تو اس کی افادیت اور بڑھ جاتی، تاہم اس کی اشاعت سے مولانا کا
فارسی کلام محفوظ ہو گیا، امید ہے کہ اصحاب ذوق اور خصوصاً مولانا کے قدر دان اس
دو ۔ شیراز کی لطافتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

مفتاح القرآن حصہ اول } از مولانا شبیر احمد ازہر میرٹھی، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر،
تفسیر سورۂ فاتحہ } صفحات ۹۶، قیمت عہ، پتہ: مکتبہ دار الہدیٰ کریم نگر (آندھرا)

یہ مصنف کی زیر تالیف تفسیر کا پہلا حصہ ہے جو سورۂ فاتحہ کے مطالب معانی کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہے اسکے بعد
چھوٹی بڑی سورہ کی تفسیریں جداجدا ایک مستقل کتاب کی صورت میں شائع ہونگے۔ اس تفسیر میں اختصار اور طوالت دونوں
بغیہ اور ضروری مباحث کو سادہ اور سلجھے پیرایہ میں پیش کیا گیا ہے، مصنف کا علم و مطالعہ وسیع ہے اسلئے بعض
نکات بھی اس میں موجود ہیں، البتہ کہیں کہیں زبان و بیان میں معمولی ناہمواری اور تشریح میں منطقیانہ رنگ
گیا ہے مگر اس سے افادیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

"ض"

جلد ۱۰۰- ماہ شعبان المعظم ۱۳۸۷ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۶۷ء۔ عدد ۵

مضامین